ماہنامہ
جہدحق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP

Registered No. CPL-13

جلدنمبر32... شمارہ نمبر04... اپریل2024

ایک دن آئے گا جب ہم سب مزدور کوئلے کی کانوں میں سے زندہ باہر نکلیں گے

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	1-			
	2-			
	3-			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	1-			
	2-			
	3-			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ' کر کے بھیجیں

فہرست

سندھ میں قوم پرست سیاسی کارکن کی مبینہ ٹارگٹ کلنگ، قتل کی شفاف تحقیقات کا مطالبہ 05

"ماسک نہیں تھے، مزدوروں نے ساتھیوں کو بچانے کے لیے منہ پر کپڑے باندھے اور زہریلی کان میں اتر گئے" 06

اربن پلاننگ میں خواتین کا حصہ کہاں ہے؟ 08

چمن میں پاک۔افغان سرحد پر سفری پابندیوں کے خلاف دھرنا 09

درہ آدم خیل، کوہاٹ میں کوئلے کے کان کنوں کی اموات 11

حکام کو جگانے کے لیے گوادر کو کتنے سیلابوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟ 14

پاکستان میں نیٹ ورک اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کی مسلسل بندش پر سول سوسائٹی کا بیان 15

خواتین کا عالمی دن 16

روزگار کے مواقعوں اور اجرتوں میں صنفی تفاوت برقرار: عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) 19

بچی اپنے لاپتہ والد کی بازیابی کی منتظر 22

سوشل میڈیا پر پابندی کے حوالے سے سینیٹ کی قرارداد قابلِ مذمت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) سوشل میڈیا پر پابندی کی غرض سے سینیٹ کی مجوزہ قرارداد کی سختی سے مخالفت کرتا ہے اور ایوان بالا کے اراکین کو متنبہ کرتا ہے کہ ایسے غیر منصفانہ اقدامات لوگوں کے آزادی اظہار کے آئینی حق کے منافی ہیں اور یہ جمہوریت کو بھی کمزور کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ ایسی قرارداد جتنی ناقابلِ عمل ہے اتنی ہی لغو ہے۔ستم ظریفی یہ ہے کہ سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس (ٹویٹر) کے 17 فروری سے بند ہونے کے بعد سیاسی جماعتیں، ریاستی ادارے، حکومتی نمائندے اور قانون ساز (بشمول سینیٹر بہرامند تنگی، جنہوں نے یہ قرارداد پیش کی تھی) ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورک (وی پی این) کے ذریعے ایکس کا استعمال جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ سوشل میڈیا تک رسائی نے عام شہریوں کو معلومات کے تبادلے، روزگار کمانے، اپنے حقوق اور آزادیوں کے لیے آواز اٹھانے، حکام کو جوابدہ بنانے، اور سماجی اور سیاسی مقاصد کے لیے متحرک ہونے کے قابل بنایا ہے۔ ڈیجیٹل آزادیوں پر پابندی کی کوئی بھی کوشش جدید جمہوریتوں اور معیشتوں کے کام کرنے کے طریقہ کار سے حیران کن لاعلمی کو ظاہر کرتی ہے۔

آخری بات یہ کہ یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتیں 2024 کے انتخابات سے قبل بھی 'سیکیورٹی خدشات' کو جواز بنا کر سوشل میڈیا پر اکثر من مانی پابندیاں عائد کرتی رہی ہیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس طرح کے اقدام نے معاشرے کو زیادہ محفوظ بنا دیا ہو۔

اگر سینیٹ کو واقعی اس ملک کے نوجوانوں کے مستقبل کی فکر ہے، جو بظاہر اس قرارداد کی تجویز کی وجہ ہے، تو اس کی کوششیں نوجوانوں کی بیروزگاری، تعلیم تک رسائی اور عورتوں سے نفرت جیسے مسائل سے نمٹنے کے لیے زیادہ سودمند ہوں گی، بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے خیالات کو کنٹرول کرنے کی فرسودہ سوچ کے ساتھ کام کرے۔ جہاں سوشل میڈیا کو نفرت انگیز تقاریر اور خواتین اور مذہبی، نسلی اور صنفی اقلیتوں کے خلاف تشدد کی ترغیب کو روکنے کے لیے باضابطہ بنانا مقصود ہو، وہاں ایسی پابندی کا محدود طور پر، شفافیت کے ساتھ اور سول سوسائٹی کے اتفاق رائے سے نفاذ کیا جانا چاہیے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ریاست کو سوشل میڈیا کو باضابطہ بنانے کے لیے کھلی چھوٹ دینا بے معنی ہے کیونکہ اس نے ہمیشہ اس ذمہ داری کو اپنے حریفوں اور اختلاف رائے رکھنے والوں کو سنسر کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

ایچ آر سی پی سول سوسائٹی اور ڈیجیٹل حقوق کے کارکنوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس طرح کی من مانی پابندیاں عائد کرنے کی تمام کوششوں نیز وی پی این پر پابندی کی اطلاعات کے خلاف متحرک ہو جائیں۔ ایچ آر سی پی ایکس کو فوری بحالی کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔03 مارچ 2024]

انٹیلی جنس ایجنسیوں کی اداروں میں مداخلت شدید تشویش کا باعث ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو ہائی کورٹ کے چھ ججوں کی جانب سے لگائے گئے الزامات پر گہری تشویش ہے۔ ان ججوں کا دعویٰ ہے کہ ریاست کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی مداخلت اور دھمکیوں نے عدلیہ کی آزادی کو نقصان پہنچایا ہے۔

25 مارچ کو سپریم جوڈیشل کونسل کو لکھے گئے خط میں زیر بحث ججوں نے الزام لگایا کہ انٹیلی جنس اہلکاروں نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں بینچوں کی تشکیل سمیت قانونی کارروائیوں میں مداخلت کی کوشش کی ہے۔ ججوں کا یہ خدشہ شدید تشویش کا باعث ہے کہ اس طرح کی مداخلت انتظامیہ کی طرف سے 'ایک جاری پالیسی' کی عکاسی کرتی ہے اور یہ کہ انٹیلی جنس اہلکاروں نے ایسے معاملات میں عدالتی فیصلوں کو بدلنے کی کوشش کی جن کے سیاسی نتائج ہو سکتے ہیں۔

یہ انکشافات بھی اتنے ہی پریشان کن ہیں کہ انٹیلی جنس اہلکاروں نے مبینہ طور پر ججوں کے رشتہ داروں کو اغوا اور تشدد کا نشانہ بنایا اور یہ کہ ججوں کی ان کے اپنے گھروں میں غیر قانونی نگرانی کی گئی۔

اگر اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو اس طرح کی کھلی مداخلت کا سامنا ہے تو پھر زیریں عدالتوں کو ممکنہ طور پر اور بھی زیادہ خطرات لاحق ہیں۔ اس طرح کے آمرانہ ہتھکنڈوں نے قانونی نظام کی ساکھ کو متاثر کیا ہے جس سے لوگوں کی انصاف تک رسائی مشکل ہوگئی ہے جو آئین کا بنیادی حصہ ہے۔

ایچ آر سی پی ایک طویل عرصے سے اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ انٹیلی جنس سروسز، جنہوں نے ملکی اداروں کو خاصا نقصان پہنچایا ہے، کو ایک نئے قانونی ڈھانچے کے ذریعے شفاف سویلین نگرانی کے تحت لایا جانا چاہیے۔ ایسا فوری طور پر کیا جائے تاکہ جمہوری نگرانی اور جوابدہی کو مستحکم کیا جاسکے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔27 مارچ 2024]

عورتوں کی معاشی خودمختاری اور صنفی مساوات کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں: ایچ آر سی پی ہے

عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نقصان دہ عورت دشمن رویوں اور شدید معاشی عدم استحکام جیسے ماحول میں کام کرنے والی عورتوں کی ہمت کو سلام پیش کرتا ہے۔ البتہ، یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ پاکستان شدید صنفی عدم مساوات پر قابو پانے کے معاملے میں اب بھی عالمی معیشتوں سے بہت پیچھے ہے۔

عالمی صنفی عدم مساوات گوشوارے 2023 کے مطابق، عورتوں کی معاشی شمولیت اور مواقع کے حوالے سے 146 ممالک کی فہرست میں پاکستان 143 ویں درجے پر ہے۔ پاکستان افرادی قوت سروے 21-2020 کے مطابق، ملک کی افرادی قوت میں عورتیں صرف 23.5 فیصد ہیں حالانکہ کام کرنے والی آبادی کا 49.4 فیصد عورتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ، عورتیں، خاص طور پر مسیحی اور ہندو عورتیں اپنے قانونی وراثتی حقوق سے بدستور محروم ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُن کے حقوق کی ضمانت دینے والے قوانین کا مؤثر اطلاق نہیں ہو رہا۔

عورتوں کے حقِ رائے دہی اور انتخابات میں حصہ لینے کے حق کی حفاظت کے لیے بھی مزید اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اُن کی حقیقی سیاسی نمائندگی یقینی ہو سکے۔ ریاست عورتوں کو مزید معاشی مواقع فراہم کرنے، اور اُن کے حقِ روزگار کی حفاظت کے لیے مزید قابلِ عمل اقدامات کرے تاکہ وہ ہراسانی سے محفوظ باعزت ماحول میں اور مساوی معاوضے کے ساتھ کام کر سکیں۔ ملازمت پیشہ عورتیں عالمی معاشی ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں؛ پاکستان کی افرادی قوت میں اُن کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے قطع نظر اس کے کہ وہ شادی شدہ ہیں کہ غیر شادی شدہ۔

آخر میں، ایچ آر سی پی ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جیلوں میں قید عورتوں کے حقوق پر توجہ دے جن کی اکثریت جیلوں میں حفظانِ صحت کے انتہائی برے حالات سے دوچار ہے، صحت کی سہولیات تک مؤثر رسائی سے محروم ہے اور اُن کے پاس اپنی قانونی نمائندگی کے لیے ضروری معاشی وسائل نہیں۔ ریاست اُن کے حقوق کی پاسداری کے لیے اور زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرے۔ اُن قیدی عورتوں کے باضابطہ قانونی کارروائی کے حق کے لیے بھی جن کے مقدمات کا ٹرائل جاری ہے اور اُنہیں ابھی تک عدالتوں میں پیش نہیں کیا گیا۔ بلوچ عورتوں کا یہ مطالبہ پورا کرنا بھی ضروری ہے کہ اُن کے لاپتہ افراد بازیاب کیے جائیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں صنفی مساوات کا تقاضا کرنے والے پائیدار ترقیاتی اہداف کے حوالے سے پاکستان کے عالمی فریضے اور ذمہ داریاں بھی پوری کی جائیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 08 مارچ 2024]

ہدایت اللہ لوہار کی ٹارگٹ کلنگ کی شفاف تحقیقات کی جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سندھ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ یقینی بنائے کہ سیاسی کارکن ہدایت اللہ لوہار کے قتل کی شفاف اور آزادانہ طور پر تفتیش کسی بیرونی دباؤ کے بغیر کی جائے۔ قتل کے خلاف دھرنا دینے پر حراست میں لیے گئے مظاہرین، جن میں ہدایت اللہ کے دو بیٹے بھی شامل ہیں، کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے اور انہیں پرامن اجتماع کی آزادی کا حق استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔

ہدایت اللہ لوہار کو 16 فروری 2024 کو نصیر آباد میں موٹر سائیکل پر سوار دو حملہ آوروں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ایچ آر سی پی کی آج جاری ہونے والی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ یہ قتل غالباً ہدایت اللہ کی قوم پرست سرگرمیوں سے منسلک ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ تھا، جس کی وجہ سے انہیں دو بار جبری طور پر لاپتہ کیا گیا تھا۔ کمیشن کا ماننا ہے کہ ان کے قتل کی بظاہر کوئی اور وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ مشن نے ہدایت اللہ لوہار کے اہلِ خانہ کی گواہیوں اور واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج کے باوجود ایف آئی آر درج کرنے میں پولیس کی ابتدائی ہچکچاہٹ پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔ تاہم، عدالت نے قتل کے تقریباً دو ہفتے بعد واقعے کی ایف آئی آر درج کرنے کی ہدایت کی۔

اس بات کے پیشِ نظر کہ جبری گمشدگیوں کے خلاف آواز اٹھانے والے کارکنوں کی زندگیوں کو خطرات لاحق ہیں، سندھ حکومت کو ہدایت اللہ لوہار کے خاندان کو معاوضہ اور تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔ قتل کے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جانا چاہیے چاہے ان کے طاقتور حلقوں سے کسی بھی قسم کے ممکنہ روابط ہی کیوں نہ ہوں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 25 مارچ 2024]

کوئلے کے کان کنوں کے لیے حفاظتی اقدامات کا بہتر نفاذ کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی سربراہی میں ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن نے نشاندہی کی ہے کہ 20 اکتوبر 2023 کو درہ آدم خیل، کوہاٹ میں کوئلے کے تین کان کنوں کی ہلاکت پیشہ ورانہ حفاظتی معیارات اور پروٹوکول کو مسلسل نظرانداز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔

مشن نے اس کان کا دورہ کیا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مشن نے اسی ضلع میں ایک اور کان کا بھی دورہ کیا جس میں کان کنی کے حادثات کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ مشن نے کان کنوں، کول مائنرز لیبر یونین کے صدر، مقامی ڈاکٹروں اور صوبائی محکمہ برائے ترقی معدنیات کے چیف انسپکٹر سے بھی ملاقات کی۔ جن کان کنوں کا انٹرویو کیا گیا وہ ایسے حفاظتی آلات سے لیس نہیں تھے جو کان کنی کے خطرات سے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ مزید یہ کہ، وہ کان کنی کی حفاظت کے معیاری طریقوں سے بھی واقف نہیں تھے۔ بدقسمتی سے، اس لاپرواہی کا دائرہ حادثے کی رپورٹوں کے ناکافی اندراج سے لے کر نگہداشت صحت تک ناکافی رسائی تک وسیع ہے۔ قریب ترین ہسپتال میں وسائل کی شدید کمی ہے، اور وہ کانوں سے اتنے فاصلے پر واقع ہے کہ مریضوں کے علاج کے لیے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی حالت اکثر خراب ہو جاتی ہے۔

مشن نے نشاندہی کی کہ خیبر پختونخوا مائنز سیفٹی، انسپیکشن اینڈ ریگولیشن ایکٹ 2019 میں طے شدہ قواعد اور پروٹوکول کا ان کانوں پر مناسب طور پر اطلاق نہیں کیا گیا جن کا مشن نے دورہ کیا تھا۔ انہوں نے قانون کو کانوں کے بندوبست کے نظام کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کے لیے اس میں اصلاحات کرنے اور کان کنی سے متعلق تمام سرگرمیوں کا باریک بینی سے اندراج کرنے کی سفارش کی تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ پروٹوکول کی پیروی کی جائے اور انہیں اچھی طرح سے دستاویزی شکل دی جائے۔ مزید برآں، حکومت کو یقینی بنانا چاہیے کہ کوئلے کے تمام کان کن باضابطہ طور پر رجسٹرڈ ہوں اور ان کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کیا جائے۔ نیز وہ تربیت یافتہ ہوں، ان کی تنخواہ اور کام کے حالات معقول ہوں اور ان کی صحت اور حفاظت کو بہتر بنایا جائے۔ آخر میں، پاکستان کو کان کنوں کی حفاظت اور صحت کو یقینی بنانے کے لیے آئی ایل او کے کنونشن C-176 کی توثیق کرنی چاہیے۔ کوئلے کی کان کنی کی صنعت کو حفاظتی اقدامات کا سختی سے نفاذ کرنا چاہیے تاکہ کوئلے کے کان کنوں کے حقوق کو محفوظ رکھا جا سکے۔

[پریس ریلیز۔ پشاور۔ 26 مارچ 2024]

سندھ میں قوم پرست سیاسی کارکن کی مبینہ ٹارگٹ کلنگ، شفاف تحقیقات کا مطالبہ

- ایچ آر سی پی نے قوم پرست سیاسی کارکن ہدایت اللہ لوہار کے قتل کی تحقیقات کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ جاری کردی۔
- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل ایک ٹارگٹ کلنگ ہے، ایچ آر سی پی
- ایسا لگتا ہے کہ پولیس مقدمہ درج کرنے میں دباؤ میں تھی، ایچ آر سی پی

انسانی حقوق کمیشن پاکستان (ایچ آر سی پی) نے حکومتِ سندھ سے مطالبہ کیا ہے کہ دو ماہ قبل قتل ہونے والے قوم پرست سیاسی کارکن ہدایت اللہ لوہار کے قتل کی شفاف اور آزادانہ تحقیقات ممکن بنائی جائے۔

ایچ آر سی پی نے رواں برس فروری میں قتل ہونے والے ہدایت اللہ لوہار کے قتل کی تحقیقات کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل ایک ٹارگٹ کلنگ ہے جس کا تعلق ہدایت اللہ لوہار کی قوم پرست سرگرمیاں تھیں۔"

ستاون سالہ ہدایت لوہار کو 16 فروری کو نصیر آباد میں موٹر سائیکل پر سوار دو نامعلوم حملہ آوروں نے فائرنگ کر کے اس وقت قتل کر دیا تھا جب وہ پڑھانے اسکول جا رہے تھے۔

پولیس نے قتل کے 16 روز بعد عدالتی حکم پر واقعے کی ایف آئی آر نامعلوم افراد کے خلاف درج کی۔ واقعے کو ایک ماہ سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود پولیس کی جانب سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

مقتول کی بیٹی سورٹھ لوہار کا دعویٰ ہے کہ ان کے والد صوبے کے وسائل پر قبضے کے خلاف اور صوبائی حقوق کی پُر امن انداز میں بات کرتے تھے اور اسی بنیاد پر انہیں دھمکیاں بھی دی جاتی رہیں۔

سورٹھ نے وائس آف امریکہ کو بتایا کہ ان کے والد کو سال 2017 اور 2023 میں سیکیورٹی اداروں نے بغیر کسی الزام یا ایف آئی آر کے تحویل میں لیا تھا۔ بعد ازاں شدید احتجاج کے بعد ان کی رہائی عمل میں آسکی تھی۔

انسانی حقوق کمیشن کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں ہدایت اللہ لوہار کے اہلِ خانہ کی گواہیوں اور واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج کے باوجود ایف آئی آر درج کرنے میں پولیس کی ابتدائی ہچکچاہٹ پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔

کمیشن کا کہنا ہے کہ ایس ایس پی قمبر شہداد کوٹ شکایت کنندہ کی درخواست پر ایف آئی آر درج کرنے سے گریز کرتا رہا اور اس امر سے ایسا لگتا ہے کہ پولیس دباؤ میں تھی۔

کمیشن کا خیال ہے کہ پولیس کسی کا نام لیے بغیر نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف سادہ ایف آئی آر بھی درج کر سکتی تھی لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اور قتل کے دو ہفتوں بعد دو مارچ کو واقعے کی ایف آئی آر درج کی گئی۔

مقتول کی بیٹی سسی لوہار نے کمیشن کو بتایا کہ وہ اپنے والد کے قتل کی عینی گواہ ہیں۔ حملے کے وقت وہ اپنے والد سے چند سو قدم کے فاصلے پر تھیں۔

سسی لوہار نے پولیس کو دی گئی درخواست میں بھی بتایا تھا کہ وہ قاتلوں کو با آسانی شناخت کر سکتی ہیں۔

انسانی حقوق کمیشن کے سندھ کے وائس چیئر پرسن اور فیکٹ فائنڈنگ مشن کے رکن قاضی خضر حبیب نے وائس آف امریکہ کو بتایا کہ ہدایت لوہار کے قتل کے 16 روز بعد انڈس ہائی وے پر مسلسل احتجاج اور پھر عدالتی حکم کے بعد واقعے کی ایف آئی آر درج کی گئی۔ تاہم ایک ماہ سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

ایس ایس پی قمبر شہداد کوٹ کلیم ملک نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہدایت لوہار پر یہ تیسری بار حملے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن تھانے کے انتہائی قریب ہونے کے باوجود بھی پولیس افسر کمیشن کو اس بارے میں کوئی تفصیلات بتانے سے گریزاں رہے۔

ایس ایس پی نے فیکٹ فائنڈنگ مشن کو کہا کہ ہدایت لوہار کی جبری گمشدگی 'ماضی میں' ہوئی تھی اور پولیس نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کے بعد نئی تحقیقات شروع کرے گی۔

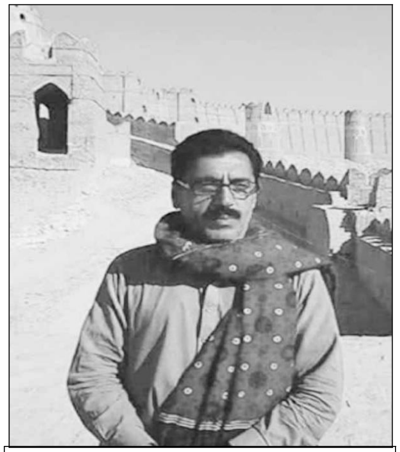

ہدایت اللہ لوہار

کمیشن کی رپورٹ پر صوبائی حکومت کا مؤقف لینے کے لیے وائس آف امریکہ نے کئی بار صوبائی وزیرِ داخلہ ضیا لنجار سے رابطے کی کوشش کی لیکن ان کی جانب سے خبر کی اشاعت تک کوئی موقف سامنے نہیں آیا۔

انسانی حقوق کمیشن نے مطالبہ کیا ہے کہ لوہار کے دو بیٹوں سمیت قتل کے خلاف دھرنا دینے پر حراست میں لیے گئے مظاہرین کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے اور پرامن اجتماع کی آزادی کا حق استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔

(بشکریہ وائس آف امریکہ)

"ماسک نہیں تھے، مزدوروں نے ساتھیوں کو بچانے کے لیے منہ پر کپڑے باندھے اور زہریلی کان میں اتر گئے"

عاصم احمد

انیس مارچ کی رات 11 بجے کے قریب ضلع ہرنائی میں کوئلہ کان میں میتھین گیس بھر جانے سے زوردار دھماکہ ہوا، جس کے نتیجے میں کان میں کام کرنے والے 10 مزدور پھنس گئے۔ کان میں کام کرنے والے آٹھ مزدوروں نے اپنی مدد آپ کے تحت ان مزدوروں کو نکالنے کے لیے ریسکیو آپریشن شروع کیا، مگر ریسکیو کے لیے ضروری ساز و سامان اور تربیت نہ ہونے کے باعث بچانے والے مزدور بھی کان میں پھنس گئے۔

ڈپٹی کمشنر ہرنائی آفس کی جانب سے مائنز ڈیپارٹمنٹ اور پی ڈی ایم اے کو واقعہ کی اطلاع دی گئی جس کے بعد کوئٹہ سے ریسکیو ٹیمیں روانہ کر دی گئیں۔

کوئٹہ سے 120 کلومیٹر کی مسافت پر واقعہ ضلع ہرنائی 1 لاکھ 27 ہزار کی آبادی پر مشتمل ہے اور یہاں سیکڑوں کوئلہ کانیں موجود ہیں۔

جس کان میں دھماکہ ہوا وہ زردالو نام کے گاؤں میں ہے اور اس کی ملکیت نجی ہے۔

ریسکیو آپریشن 12 گھنٹے تک جاری رہا۔

چیف انسپکٹر مائنز بلوچستان عبدالغنی بلوچ بتاتے ہیں کہ مشترکہ آپریشن کے دوران آٹھ افراد کو زندہ بچا لیا گیا جبکہ 12 مزدوروں کی لاشیں نکالی گئیں۔

"گیس بھر جانے کے بعد دھماکے سے کان کا ایک حصہ بیٹھ گیا جس سے 10 کان کن پھنس گئے۔ انہیں ریسکیو کرنے کے لیے 10 مزید کان کن اندر گئے تو وہ بھی گیس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے"۔

عبدالغنی بلوچ نے بتایا کہ کان کا حصہ بیٹھ جانے کے بعد گیس بھی کافی مقدار میں جمع ہو گئی تھی۔

"پہلے گیس خارج کرنے کے لیے ایگزاسٹ پنکھوں کی مدد لی گئی جس کے بعد ریسکیو کے لیے ٹیمیں اندر گئیں۔ اس وقت صرف آٹھ مزدور ہی زندہ تھے"۔

ڈپٹی کمشنر ہرنائی جاوید ڈومکی کے مطابق زندہ بچنے والے کان کنوں کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ انہیں طبی امداد فراہم کر دی گئی ہے۔

"مرنے والے زیادہ تر افراد کا تعلق ضلع پشین سے ہے۔ دو لاشیں ان افراد کی ہیں جو ریسکیو کے لیے کان کے اندر گئے تھے"۔

رفیع اللہ کوئلے کی اسی کان میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حادثے کے بعد جب ریسکیو ٹیمیں وقت پر نہ

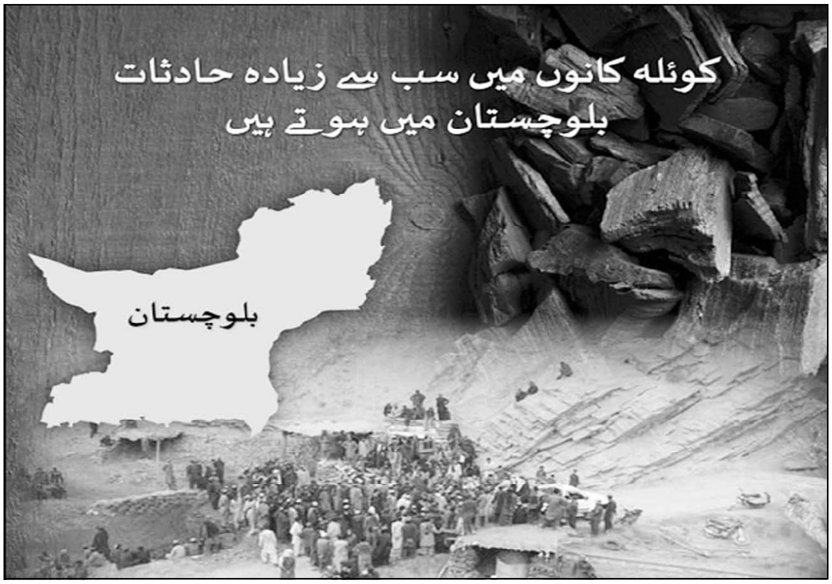

پہنچیں تو ساتھی کان کنوں نے خود ہی اپنے ساتھیوں کو بچانے کا فیصلہ کیا۔

"وہ بغیر ساز و سامان کے کان میں اتر گئے۔ گیس ماسک تو میسر نہیں تھے، انہوں نے منہ پر صرف کپڑے لپیٹ رکھے تھے۔ انہیں معلوم بھی نہیں ہوا کب گیس ان کے حواس پر حاوی ہو گئی"۔

وہ کہتے ہیں یہ پہلا واقعہ نہیں، ماضی میں بھی ریسکیو ٹیموں کے وقت پر نہ پہنچنے کے باعث ساتھی کان کن اپنی مدد آپ کے تحت خطرناک ریسکیو آپریشن انجام دیتے رہے ہیں جس میں اکثر کچھ کی موت بھی ہوئی ہے۔

ایچ آر سی پی کے سابق وائس چیئرمین طاہر حبیب کے مطابق بلوچستان کی کوئلہ کانوں میں حادثات کی صورت میں مزدوروں کو بچانے کرنے کے لیے بنیادی سامان میسر نہیں ہوتا۔ ان میں ابتدائی طبی امداد، گیس سے محفوظ رکھنے والے ماسک شامل ہیں جو وہاں موجود ہونے چاہیں، تاہم کان مالکان اخراجات کم کرنے کے لیے بنیادی آلات تک فراہم نہیں کرتے جو سنگین جرم ہے۔

"مائنز ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹروں کی تعداد انتہائی کم ہونے اور غیر سنجیدگی کے باعث ان کانوں کے ٹھیکیداروں کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی جاتی۔ صرف حادثات کی صورت میں وقتی طور پر کان کو سیل کر دیا جاتا ہے اور کچھ عرصے بعد بغیر کسی کاروائی کے واپس کھولنے کی اجازت دے دی جاتی ہے"۔

چیف انسپکٹر مائنز بلوچستان عبدالغنی نے بتایا کہ کان کو سیل کر دیا گیا ہے تاکہ حادثے کی وجوہات جاننے کے لیے تحقیقات کی جا سکیں۔

انہوں نے بتایا کہ 2023ء میں بلوچستان میں کانوں میں پیش آنے والے حادثات میں 68 کان کنوں کی موت واقع ہوئی تھی۔

بلوچستان میں کوئلہ کان کنی کو سب سے بڑی صنعت تصور کیا جاتا ہے۔

پاکستان سینٹرل مائنز لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری لالا سلطان کے مطابق بلوچستان بھر میں اس وقت تین ہزار 800 سے زائد کوئلہ کانیں ہیں جن میں ایک لاکھ سے زائد مزدور ہر سال ایک کروڑ ٹن سے زائد کوئلہ نکالتے ہیں۔ ان کے بقول یہ مقدار پاکستان بھر میں سالانہ بنیاد پر نکالے جانے والے کوئلے کا 50 فیصد ہے۔

محکمہ معدنیات بلوچستان کے ریکارڈ کے مطابق لورالائی، دکی، بولان اور زیارت سمیت بلوچستان کے سات اضلاع میں مجموعی طور پر 268 ملین ٹن سے زائد کوئلہ موجود ہے۔

عبدالغنی بتاتے ہیں کہ تقریباً تین ہزار کے قریب فعال کانوں میں 60 ہزار سے زائد کان کن کام کر رہے ہیں۔

لالا سلطان کے مطابق کوئلہ کانوں میں سب سے زیادہ حادثات بلوچستان میں ہوتے ہیں۔'' ہمارے ڈیٹا کے مطابق 2022ء میں پاکستان بھر میں 152 کول مائنز مزدور کان کے اندر حادثات میں جان بحق ہوئے جس میں سب سے زیادہ تعداد یعنی 89 بلوچستان کے کان کنوں کی تھی۔ بتیس خیبر پختونخوا، 19 پنجاب اور 12 کان کن صوبہ سندھ کی

کانوں میں میں موت کے منہ میں چلے گئے۔

عبدالغنی بلوچ کہتے ہیں کہ مرنے والے مزدوروں کی تعداد ہمیشہ زیادہ بتائی جاتی ہے۔تاہم وہ تصدیق کرتے ہیں کہ گزشتہ سال کے پانچ مہینوں میں بلوچستان کے کوئلہ کانوں میں 18 حادثات ہوئے جن میں 24 کان کنوں کی موت واقع ہوئی ہے۔

کان کنوں کی فلاح کے لیے بلوچستان میں اب بھی 1923ء کا مائن ایکٹ کام کر رہا ہے۔اس ایکٹ کے تحت کام کے دوران کسی حادثے میں مرنے والے مزدور کے خاندان کو مالک اور ٹھیکدار پانچ سے آٹھ لاکھ اور حکومت تین سے پانچ لاکھ معاوضہ دینے کی پابند ہے۔

کئی واقعات میں یہ معاوضہ بھی ادا نہیں کیا جاتا۔

ہیومین رائٹس کمیشن نے 2022ء میں بلوچستان کے کول مائنز میں ہونے والے حادثات کے تناظر میں اپنی رپورٹ میں تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ کان کنی کے قدیم طریقے، پرانی ٹیکنالوجی اور ناکافی حفاظتی آلات کے استعمال سے کوئلے کے کان کنوں کے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔

انسانی حقوق کے کمیشن نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وفاقی حکومت کان کنوں کی حفاظت کے لیے دنیا کی سطح پر مزدوروں، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن اور خاص کر کان کنوں کے لیے بنائے گئے قوانین پر عمل درآمد یقینی بنائے۔

حکومت بلوچستان کی طرف سے کوئلہ کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والے کمشنر مائنز انور جان مندوخیل کا کہنا ہے کہ حکومت ہر سال 60 لاکھ روپے کا فنڈ مزدوروں کی صحت اور بنیادی طبی امداد کے لیے خرچ کرتی ہے۔

’’ہم نے مزدوروں کی حفاظت اور فلاح و بہبود کے لیے نرسز، ڈاکٹرز اور استادوں پر مشتمل ڈیڑھ سو افراد کا عملہ تعینات کیا ہے جو مختلف اضلاع میں پچیس ڈسپینسریز، مارواڑ میں 25 بیڈ کے ہسپتال میں اور مچھ میں ایک بی ایچ او میں کام کرتے ہیں"۔

کان کن خود قصوروار ہیں: مالکان

ہرنائی کی ایک نجی کان کے مالک سیف اللہ ترین کہتے ہیں’’زیادہ تر وقت کان کے اندر کام کرنے والے مزدور چونکہ گھنٹوں اندر رہتے ہیں تو چائے وغیرہ بنانے اور یا پھر سگریٹ پینے کے لیے لائٹر جلا لیتے ہیں جس کے باعث کان میں موجود گیس کا دھماکہ ہوجاتا ہے اور مالی اور جانی نقصان ہوجاتا ہے"۔

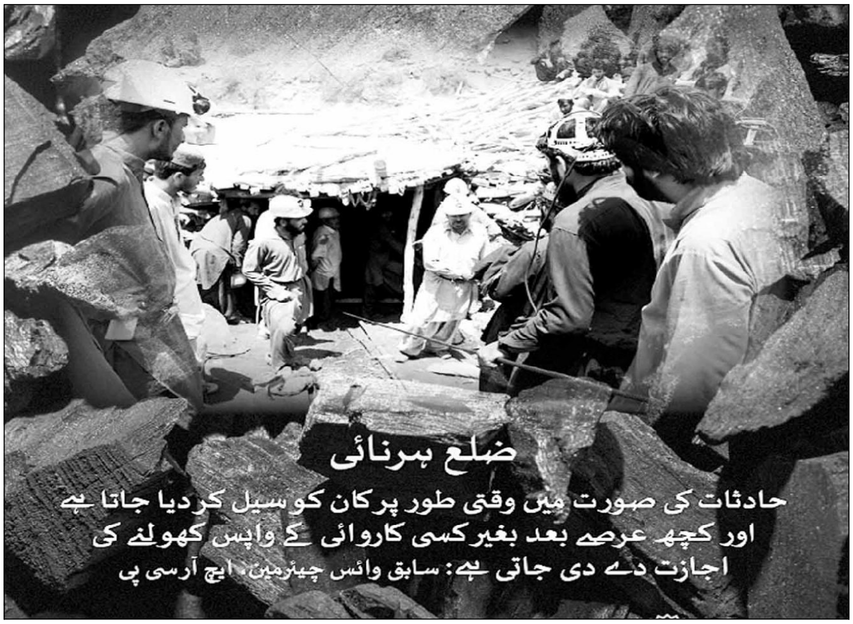

سیف ترین کہتے ہیں اگر چہ وہ اپنے ہاں کام کرنے والے کان کنوں کو بنیادی حفاظتی سامان (ہیلمٹ، ماسک وغیرہ) فراہم کرتے ہیں مگر حکومت کو چاہیے کہ وہ مزدوروں کو تربیت دینے کا بندوبست کرے۔

'ہاتھ پاؤں سلامت ہیں تو کان کن قیمتی، معذور ہو جائے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں'

" کان کنوں میں یہ شعور آ جائے کہ کھدائی کے وقت حادثات سے بچاؤ کے لیے کون سے کاموں سے اجتناب کرنا ہے تو حادثوں کی تعداد میں بھی کمی آ سکتی ہے"۔

مگر ایچ آر سی پی بلوچستان کے سابق وائس چیئرمین طاہر حبیب، سیف ترین کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتے۔

وہ کہتے ہیں کہ بیشتر حادثات گیسیں جمع ہونے کے بعد دم گھٹنے اور دھماکے سے ہوتے ہیں۔کوئلہ باہر لانے کے لیے استعمال ہونے والی ٹرالی بھی حادثات کا باعث بنتی ہے۔کمزور رسی ٹوٹنے سے ٹرالی تیزی سے نیچے کی طرف جاتی ہے اور کام کرنے والے کان کنوں کو کچلتی ہے اور یا پھر کسی چٹان سے ٹکرا جاتی ہے۔جس سے اس میں سوار مزدور حادثے کا شکار ہوجاتے ہیں۔

"اس میں سارا قصور کان مالک اور ٹھیکیدار کا ہوتا ہے، کیونکہ وہ کھدائی کے لیے کرانے والے دھماکوں، ٹرالی کو کھینچنے والی رسیوں کی فراہمی اور دیگر حفاظتی انتظامات کے ذمہ دار ہوتے ہیں"۔

وہ کہتے ہیں کہ انتظامیہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً کانوں میں حادثات سے بچنے کے لیے ان کی جانچ پڑتال کرتے رہیں۔

تاریخ اشاعت 21 مارچ 2024

اربن پلاننگ میں خواتین کا حصہ کہاں ہے؟

خدیجہ وکیل

میں بہت تھک گئی ہوں۔ برا بننا نہیں چاہتی لیکن بسا اوقات تھکن، مایوسی، بیزاری اتنی ہوجاتی ہے کہ اچھائی ہاتھوں سے پھسلتی لگتی ہے۔ پکڑنا بھی چاہوں تو ہاتھ نہیں آتی۔ یقین جانو! بہت تکلیف میں ہوں۔ لگتا ہے پورا شہر، سارے خاندان والے، اردگرد کا ماحول سبھی مخالف ہیں۔ میرا کچھ بھی نہیں۔ جو سہارا دے۔ آسانی بنے۔ اگر یہ امتحان ہے تو میں تو دینے کو تیار ہوں۔ آزمائش ہے تو مولا کی منشا میں راضی برضا ہوں۔ لیکن گھر کے کمرے سے شہر کے چاروں طرف، ملک کے تمام حصوں میں نظام مجھے ہر روز مزید مایوس اور فکرمند کرتا ہے۔ میں بوڑھی ہو رہی ہوں اور وہ جوان ہو جائے گا۔ اس کی جسمانی طاقت میری ناتواں قوت سے نہیں سنبھلے گی۔ پریشانی اور تکلیف سے کبھی وہ انگلیاں چٹخاتی۔ کبھی روتی اور کبھی بے چین ہو کر ٹہلنے لگتی۔

مہینوں بعد آج اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میری بہت اچھی جان پہچان والی تھی۔ ایک ہی علاقے کے رہائشی تھے۔ شروع میں گھروں میں بھی آنا جانا تھا لیکن پھر نسبتاً کم ہوتے ہوتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ وہ تین بچوں کی ماں ہے۔ جس میں سے ایک بچہ پیدائشی چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ جواب پانچ سال کا ہے۔ اور جیسے جیسے وہ عمر کے مدارج طے کر رہا ہے۔ ویسے ویسے وہ زیادہ متفکر اور افسردہ رہنے لگی ہے۔ کہتی ہے چھوٹا تھا تو گود میں اٹھا کے اندر، باہر لے جاتی تھی۔ پارک، بازار، گھر میں زیریں اور بالائی منزلوں پر۔ تب دنیا، اس کے رنگ، پھول، مناظر ہم دونوں دیکھ اور محسوس کر سکتے تھے۔ اور اب یوں لگتا ہے کہ ہم دونوں ہی بندھ گئے ہیں۔ وہیل چیئر پر اسے جب باہر لے کے نکلتی ہوں تو سڑک پر فٹ پاتھ یا تو برائے نام ہوتا ہے یا ہوتو اس پر چڑھوں کیسے؟ پارک کے دروازے تک اگر پہنچ بھی جاؤں تو سیڑھیاں پار کر کے اندر کیسے داخل ہوں؟ ریمپس میسر نہیں ہوتے۔ بسوں میں چڑھنے کا بھی یہی حال ہے۔

بچے کو گود میں لے کر یہ ساری رکاوٹیں پار کرتی ہوں بلکہ وہیل چیئر دوہری ذمہ داری بن جاتی ہے۔ میں کس کس کو سنبھالوں؟ اسکول داخل کروایا تو یہی مسائل۔ وہیل چیئر چلانے کو کوئی آسان طریقہ نہیں ہے۔ اسکول کے مرکزی دروازے سے کمرا جماعت اور ادھر سے کھیل کا میدان، کینٹین تک میرا بچہ نہیں پہنچ پاتا۔ اسے اسکول چھوڑنے کے بعد میں گھر سولی پر لٹکی رہتی ہوں۔ اور واپسی پر کوئی نہ کوئی دل دکھانے والا پہلو اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔ بس اس کے بعد اس کے لئے گھر ہی پڑھنے کا انتظام میں خود ہی کرتی ہوں۔ لیکن یہ سب مطمئن نہیں کرتا۔ سوچتی ہوں اگر ابھی سے مجھے کمر درد رہنے لگا ہے تو آگے کیا ہوگا؟ کیا ساری زندگی وہ یونہی الگ تھلگ رہنے پر مجبور ہوگا اور میں اس کی محبت میں خود بھی تنہا رہوں گی۔ اسی سے مجھے اپنی ایک ریٹائرڈ سینئر کولیگ یاد آئیں جو چھ ماہ قبل نوکری کی لگے بندھے معمول سے آزاد ہوئیں تھیں۔ تب ان کے بڑے منصوبے تھے کہ وہ سارے کام کروں گی جو آج تک کسی نہ کسی وجہ سے نہیں کر پائی۔ خاص طور پر عبادات تو زیادہ یکسوئی سے کروں گی اور بالخصوص دین کی سمجھ بوجھ پر توجہ کروں گی۔ چہل قدمی کے لئے جایا کروں گی۔ بورڈ گیمز کھیلوں گی، وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ میرے ساتھ مہربان رہی تھیں اور میں نے نوکری کے ابتدائی ایام میں ان کے تجربات سے کافی سیکھا تھا۔

اس لیے ریٹائرڈ ہونے پر بھی ایک ماہ میں کبھی نہ کبھی بات ہوجاتی تھی۔ لیکن ہر دفعہ لہجے کا جوش، جو اوائل دنوں کا

مہینوں بعد آج اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میری بہت اچھی جان پہچان والی تھی۔ ایک ہی علاقے کے رہائشی تھے۔ شروع میں گھروں میں بھی آنا جانا تھا لیکن پھر نسبتاً کم ہوتے ہوتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

خاصہ تھا، دھیما پڑتا محسوس ہوتا تھا۔ میرے استفسار پر بات ٹال دیتیں۔ ایک دن میرے سوال پر کہ کس کس شوق کی تکمیل کر لی؟ کس گیم بورڈ میں مہارت پکڑ لی؟ بڑے بجھے بجھے لہجے میں بولیں۔ میری دکھتی رگ کو نہ ہی چھیڑو، بھری بیٹھی ہوں۔ ماحول مجھے زبردستی بوڑھا، بے کار کرنے اور کسی کونے میں لگانا چاہتا ہے۔ نوکری کرتی تھی تو لگتا تھا نظام گھر سے باہر نکلنے والی خواتین کے لئے معاون نہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کے مسائل، فلیکسیبل کام کے اوقات کار نہ ہونا، دفاتر میں لیٹرین، نوزائیدہ بچوں کے کمرے کا نہ ہونا اور ایسے ہی کئی اور معاملات، جن کا علم تمہیں بھی تو ہے۔

لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد تو میری آنکھیں ہی کھل گئی ہیں۔ کچھ فقہ کی کتب کی ضرورت تھی تو قریبی مسجد گئی تو جناب یہ کہہ کر داخل نہیں ہونے دیا کہ خواتین اندر نہیں جا سکتیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین کا تو مسجد میں کوئی سیکشن ہی نہیں ہے۔ امام سے رہنمائی درکار ہو تو عورتیں کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ اب نوکری کی ذمہ داری نہیں ہے تو اس رمضان تراویح با جماعت مسجد میں امام کے پیچھے ادا کرنا چاہتی تھی لیکن جناب سبھی قریب کی مساجد میں صرف مرد جا سکتے ہیں۔ عید کی نماز بھی اسی لئے حسرت بن گئی۔

اور ہوا خوری کا تو خوب پوچھا تم نے؟ یا تو پارک ہیں نہیں، اگر دور و نزدیک میسر ہوں تو صنف مخالف کی اجارہ داری۔ کئی بار تصویروں میں انٹرنیٹ پر دیکھا ہے کہ پارکس کے اندر ہی جسمانی اور ذہنی مشقیں کرنے کو کئی بورڈ گیمز اور دوسری مشینیں نصب ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں تو پہلے گھر سے نکلنا مشکل اور پھر پارک تک پہنچنا اس سے زیادہ دشوار اور اگر پارک آپ کے علاقے میں مل جائے تو وہاں خاتون/لڑکی ہونے کے چیلنجز۔ کہ اتنے میں ہی انسان بیزار ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اب زبردستی گھر میں صبح سے شام کر رہی ہوں۔

اور یاد کرنے پر آؤں تو مجھے اپنی بیٹی کی ایک سہیلی یاد آ گئی جسے میں نے کمرہ امتحان میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ بائیں ہاتھ سے لکھتی تھی لیکن جس کرسی پر بیٹھی پرچہ حل کر رہی تھی اس کا ڈیزائن دائیں ہاتھ سے لکھنے والوں کے لئے بنا تھا۔ تحصیل لیول کے اس امتحانی مرکز میں کوئی اور آپشن دستیاب ہی نہیں تھی۔ میری بیٹی نے بعد میں یہ تذکرہ بھی کیا کہ وہ زیادہ تر گھر میں اپنی امی کی مدد سے پڑھتی ہے۔ ڈاکٹروں کی غفلت سے پیدائشی پیچیدگیاں بنیں اور اس کے پاؤں اور آنکھ میں کچھ مسئلہ ہوگیا۔ جس کی وجہ سے بینائی کمزور اور چلنے میں ایک حد کے بعد دشواری ہوتی ہے۔ کالج میں کلاسز مختلف منازل پر ہیں۔ ایک سے دوسری کلاس تک بھاگ بھاگ کر جانا اور سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں، جو کہ اس کے لئے کار ناممکن بن جاتا ہے۔ اس لئے وہ کم ہی کالج حاضر ہوتی ہے۔

ایسے ہی کئی کردار بالخصوص خواتین، بچیاں، لڑکیاں آپ کے اردگرد بھی موجود ہوں گے جن کی زندگی چھوٹے شہروں، دیہی علاقوں اور بڑی شہری آبادیوں میں کسی نہ کسی ایسے مسئلے کی وجہ سے محدود ہوگئی ہوتی ہے، جس کا حل وہ خود نکالنے کی جدوجہد اور محنت تو کرتی ہیں لیکن شہروں اور گھروں کے ڈیزائن اور نظام ان کی مدد نہیں کرتے۔ حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ آسانیاں نہیں پیدا کرتے۔ بلکہ ان میں صرف صحت مندوں اور مردوں کو فوقیت حاصل ہے۔ جس کے سبب ملک کی باون فیصد آبادی ابھی تک اس پہلو پر توجہ کی متقاضی وطالب ہے۔

(بشکریہ ہم سب)

چمن میں پاک-افغان سرحد پر سفری پابندیوں کے خلاف دھرنا

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ (مارچ 2024)

تعارف

بلوچستان میں کوئٹہ سے لگ بھگ 120 کلومیٹر دور واقع قصبہ چمن پاکستان اور افغانستان کے درمیان ایک اہم سرحدی علاقہ ہے۔ علاقے کے پیچیدہ جغرافیائی منظر نامے کے قلب میں موجود چمن عرصہ دراز سے پاکستان اور افغانستان کے مابین رابطے کا ایک بہت اہم ذریعہ ہے، خاص طور پر اسے دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی تجارت میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ اشیاء و خدمات کا غیر رسمی تبادلہ کئی مقامی باشندوں، خاص طور پر چھوٹے تاجروں اور دہاڑی دار مزدوروں کی روزی روٹی کا واحد وسیلہ ہے۔ البتہ، قصبے کو کئی معاشرتی و معاشی مشکلات درپیش ہیں جیسے کہ بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح، غربت اور بنیادی سہولیات تک محدود رسائی۔

چمن دھرنا، جو اکتوبر 2023 میں شروع ہوا، قصبے کی تاریخ کا ایک اہم لمحہ تھا کیونکہ جب نگران حکومت نے غیر قانونی مہاجرین کو پاکستان چھوڑنے کے لیے 30 دن کی مہلت کا حکم نامہ جاری کیا تو اُس کے بعد سرحد پر نقل و حرکت پر قابو پانے کے لیے کچھ اقدامات تجویز کیے گئے تو ہزاروں مقامی باشندوں، سیاسی و سماجی کارکنوں اور تاجروں نے ان اقدامات پر اپنے تحفظات کا اظہار کرنے کے لیے احتجاج کا راستہ اختیار کیا۔ مجوزہ اقدامات کا مقصد پاسپورٹ اور ویزا کی شرائط کو سخت کرنا ہے، جس کے بارے میں بہت سے مظاہرین کا خیال ہے کہ اس سے سرحد پار تجارت اور خطے کے چھوٹے تاجروں کا روزگار بُری طرح متاثر ہوگا، خاص طور پر چمن اور تفتان میں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، دھرنے نے زور پکڑا کیونکہ اس سے چمن کے لوگوں کو درپیش سماجی و اقتصادی مسائل کو اجاگر ہوئے، اور سرحد پر سلامتی اور سرحد پار تجارت کے لیے متوازن نقطہ نظر کی ضرورت کو توجہ ملی۔ اس احتجاج نے پاکستان اور افغانستان کے جغرافیائی و سیاسی تعلقات کی پیچیدگی کو مزید اجاگر کیا، اور دونوں ممالک کو احساس دلایا کہ وہ اپنی مشترکہ سرحدوں اور ایک دوسرے پر منحصر تجارتوں سے جڑے مسائل حل کرنے کے لیے باہمی تعاون اور افہام و تفہیم سے کام لیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سرحد پر نقل و حرکت پر پابندیوں کے مقامی آبادی پر اثرات جاننے اور نئی پالیسیوں کی مخالفت میں ہونے والے احتجاج کا جائزہ لینے کے لیے 13 دسمبر 2023 کو ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن چمن روانہ کیا۔ مشن کاشف پانیزئی (وائس چیئر ایچ آر سی پی بلوچستان)، فرید احمد (اسٹاف ممبر)، اور ایچ آر سی پی کے اراکین شمس الملک مندوخیل اور عبدالمنان پر مشتمل تھا۔ فیکٹ فائنڈنگ مشن کی تکمیل کے بعد اس معاملے پر مزید تحقیق کی گئی۔

چمن دھرنے کے مظاہرین

مشن کے اہداف و دائرہ کار

- مظاہرین کے بنیادی مطالبات اور تحفظات کا تجزیہ کرنا
- پاک-افغان سرحد پر پاسپورٹ اور ویزا کی شرائط کے قانونی جواز کی چھان بین کرنا۔ اس حوالے سے ڈیورنڈ لائن معاہدہ اور معاہدات پر ویانا کنونشن کا جائزہ بھی مشن کے کام کا حصہ تھا۔
- چمن میں لوگوں کی معاشرتی و معاشی صورت حال جاننا اور اُن کی زندگیوں پر مجوزہ سرحدی پابندیوں کے اثرات کا جائزہ لینا۔
- مقامی معیشت میں سرحد پار تجارت کے کردار کا مطالعہ، متاثر ہونے والے چھوٹے تاجروں کی تعداد جاننا، اور یہ معلوم کرنا کہ وہ اپنے ذرائع آمدن کے لیے اس تجارت پر کس حد تک منحصر ہیں۔
- دھرنا کی قیادت کے ڈھانچے، فیصلہ سازی کے طریقوں، اور سیاسی جماعتوں کے کردار کا جائزہ لینا۔
- مظاہرین کے تحفظات کے ازالے کے لیے ممکنہ حل تجویز کرنا۔

فیکٹ فائنڈنگ مشق

دھرنے کے منتظمین کے ساتھ ملاقات

مشن نے مظاہرین کے بنیادی مطالبات معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے دھرنے کے منتظمین سے ملاقات کی۔ دھرنے کی انتظامی کمیٹی کے رکن عبدالمنان اخوند نے بتایا کہ مقامی باشندوں کے لیے ویزا اور پاسپورٹ کی شرط کا خاتمہ، چھوٹے تاجروں کے لیے فلاح و بہبود پیکجز کی بحالی، اور افغان مہاجرین کے خلاف کریک ڈاؤن کا خاتمہ اُن کے بنیادی مطالبات ہیں۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ تمام چھوٹے تاجر مقامی انتظامیہ اور مجوزہ اقدامات کے تحت چمن اور کوئٹہ کے درمیان چیک پوسٹوں پر فرنٹیئر کور کو رشوت دینے کی بجائے حکومت کو ٹیکس دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ چیک پوسٹوں پر رشوت ایسا مسئلہ ہے جس کا تاجر پہلے ہی تفتان (پاک-ایران سرحد پر) اور کوئٹہ کے درمیان چیک پوسٹوں پر سامنا کر رہے ہیں۔ انہوں نے 26 اکتوبر کو چمن ایف سی قلعہ میں ایف سی کمانڈر کے ساتھ کمیٹی کی ملاقات کا ذکر بھی کیا۔ کمانڈر نے انتظامی کمیٹی کو بتایا تھا کہ بلوچستان میں مقیم غیر دستاویزی افغانوں کو ملک بدر کیا جائے گا، تاہم وہ چمن کے لوگوں کے لیے خصوصی طریقہ کار وضع کرنے کی سفارش کریں گے۔ اُنہوں نے کمیٹی پر یہ بھی واضح کیا کہ پرامن اجتماع کی آزادی کا حق شہریوں کا بنیادی حق ہے مگر وہ کسی کو قانون اپنے ہاتھوں میں لینے کی اجازت نہیں دیں گے۔

باب دوستی چمن میں جاری دھرنے کے قائد امیر محمد نے کہا کہ پاکستان کے حکام نے سرحد پر باڑ لگا کر ان کے خاندان کی اراضی تقسیم کر دی ہے۔ اُن کی ایک سو ایکڑ سے زائد اراضی افغان علاقے میں شامل ہو گئی ہے۔ خاردار باڑ لگاتے وقت اُنہیں یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ اُنہیں سرحد کی دوسری طرف والی اپنی اراضی تک رسائی کے حوالے سے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، مگر اب وہ یقین دہانی بے فائدہ ہے کیونکہ 'پاسپورٹ کی شرط لاگو کی جا رہی ہے'۔

انتظامی کمیٹی کے ترجمان، اولس یار اچکزئی نے سرحدوں اور امیگریشن کے معاملات سے متعلق فیصلے لینے کے حوالے سے نگران حکومت کے اختیارات پر سوالات اٹھائے۔ اُنہوں نے بتایا کہ سرحدی پابندیاں چھوٹے تاجروں اور خانہ بدوش طبقوں کی معاشی فلاح و بہبود پر شدید اثر انداز ہوتی ہیں جو روزانہ 500 سے 600 روپے کی مالیت کی چھوٹی نوعیت کی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ بار بار ویزا کی شرائط اُن طبقوں کے لیے غیر ضروری معاشی مشکلات پیدا کریں گی کیونکہ یہ

لوگ روزمرہ بنیادوں پر سرحد پار کرتے ہیں۔ البتہ، انہوں نے اس امر پر فکرمندی کا اظہار کیا کہ کچھ فتنہ انگیز لوگ موجودہ دھرنے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ حساس نعرے لگا کر یا خاص سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو اشتعال دلا رہے ہیں۔

آخر میں، مشن نے دھرنے کے مقام کا دورہ کیا جہاں ایچ آر سی پی کے ریجنل وائس چیئر کاشف پانیزئی اور ایچ آر سی پی کے ممبر شمس الملک مندوخیل نے مظاہرین سے اظہارِ یکجہتی کے لیے اجتماع سے خطاب کیا۔

نگران وزیرِ اطلاعات سے ملاقات

بعدازاں مشن نے کوئٹہ میں صوبائی نگران وزیرِ اطلاعات جان اچکزئی سے ملاقات کی۔ اچکزئی نے کہا کہ حکومت اسمگلنگ اور غیر قانونی تجارت سے نمٹنا چاہتی ہے مگر اس دوران مقامی قبائل کے لیے سرحد کی بندش کے مسئلے کو حل کرنے کی خواہاں بھی ہے۔ انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ چمن بارڈر کے ذریعے تقریباً 70 ارب امریکی ڈالر کی مالیت کے سامان کی سالانہ غیر قانونی تجارت ہوتی ہے جو پاکستان کی معیشت پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ انہوں نے ٹیکس چوری کو ایک اہم مسئلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ نوشکی اور چمن کے راستے اسمگل ہونے والی گاڑیوں کے نتیجے میں 2,500,000 روپے تک کا ٹیکس چوری ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو کئی دہائیوں سے افغان مہاجرین کی میزبانی کے بدلے عدم تحفظ کا سامنا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ صوبائی حکومت نظم و نسق، پاسپورٹس اور سرکاری اسپتالوں میں ادویات کی قلت سے متعلق مسائل کو حل کرنے کے لیے پُرعزم ہے۔

اچکزئی نے پرامن اجتماع کو جمہوری حق کے طور پر تسلیم کیا، اور کہا کہ مظاہرین کے جائز مطالبات پورا کرنے کے لیے کوششیں جاری ہیں، جیسے کہ پڑوسی ممالک کے ساتھ تجارت کو فروغ دینے کے لیے سرحدوں پر منڈیوں کا قیام، اور مقامی لوگوں کی آسانی کے لیے 'ایک دستاویزی نظام' متعارف کروایا جائے گا جبکہ اس دوران سرحد پار اسمگلنگ کی روک تھام پر توجہ دی جائے گی۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ حکومتِ بلوچستان چمن میں چھوٹے تاجروں کو 20,000 پاکستانی روپے بطورِ بے روزگاری الاؤنس دے رہی ہے، اور مقامی نوجوانوں کے لیے تکنیکی مراکز قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سرحد پر آمد پر ویزا (Visa on Arrival) جیسی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔

وزیر نے دعویٰ کیا کہ مقامی قبائل اب بھی بغیر کسی پابندی کے سرحد پار کر سکتے ہیں، لیکن مشن کا خیال ہے کہ یہ مکمل طور پر درست نہیں ہو سکتا کیونکہ سرحدی کنٹرول کی پالیسیاں وقت کے ساتھ تبدیل ہو سکتی ہیں اور یکساں طور پر لاگو نہیں ہوتیں۔ وزیر کے اس دعوے پر مزید شواہد سامنے آنے چاہییں کہ اسمگلنگ کا پاکستان کی معیشت پر انتہائی منفی اثر پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ چمن بارڈر کے ذریعے تقریباً 70 ارب امریکی ڈالر کی سالانہ غیر قانونی تجارت کے دعوے کو ٹھوس اعداد و شمار اور ذرائع سے ثابت کرنا چاہیے۔

اگرچہ حکومت کا پڑوسی ممالک کے ساتھ تجارت کو فروغ دینے کے لیے سرحدوں پر منڈیاں قائم کرنے کا منصوبہ ایک خوش آئند پیش رفت ہے، لیکن ایسے اقدامات کے امکانات اور ممکنہ اثرات کا تجزیہ کیا جانا چاہیے۔ سرحدوں پر امیگریشن کنٹرول کے لیے 'ایک دستاویزی نظام' کے نفاذ کے نتائج مثبت بھی ہو سکتے ہیں اور منفی بھی۔ اس لیے پاکستان کی سلامتی، معیشت اور پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات پر اس پالیسی کے ممکنہ اثرات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔

ماحصل اور سفارشات

موجودہ سرحدی پابندیوں اور پاسپورٹ اور ویزا کی شرائط کے اطلاق نے بڑے احتجاجی مظاہروں کو جنم دیا اور مقامی آبادی، خاص طور پر چھوٹے تاجروں اور سرحد پار تعلق رکھنے والے خاندانوں میں تشویش پیدا کر دی ہے۔ بلوچستان کی معاشی صورتحال نہایت گھمبیر ہے بالخصوص ضلع چمن میں بے روزگاری اور غربت کی بلند سطح کے حوالے سے۔ چھوٹے پیمانے کی تجارت بہت سے خاندانوں کی روزی روٹی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بین الاقوامی معاہدوں کی ذمہ داریوں اور مقامی افراد اور طبقوں پر اثرات کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس صورت حال کے قانونی اور انسانی ہمدردی کے پہلو خاص طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حکومت کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو آسان سفر اور آزادانہ نقل و حرکت کے لیے آمد پر ویزا (Visa on Arrival) کی سہولت فراہم کرے، اور تجارتی سرگرمیوں کو بڑھانے کے لیے سرحد پر منڈیاں قائم کرے، پڑوسی ممالک کے ساتھ تجارت کو فروغ دے، اور نظم و نسق، پاسپورٹ اور سرکاری اسپتالوں میں ادویات کی قلت جیسے مسائل کو حل کرے تاکہ علاقے کے سماجی و اقتصادی حالات میں بہتری آ سکے۔

مشن اِس وقت درپیش مشکلات سے نمٹنے اور پیچیدہ مسائل کے پائیدار، جامع اور پُرامن حل کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کرنا چاہتا ہے:

1۔ **مذاکرات اور سفارت کاری**: نئی وفاقی و صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ متاثرہ لوگوں، مقامی رہنماؤں، اور افغانستان کے نمائندوں سمیت دیگر متعلقہ فریقین سے تعمیری مذاکرات کا سلسلہ شروع کریں تاکہ تحفظات کا ازالہ ہو اور اطمینان بخش حل تلاش کیے جا سکیں۔

2۔ **معاشی ترقی**: مقامی صنعتوں میں سرمایہ کاری، ملازمتوں کے مواقع پیدا کر کے اور چھوٹے تاجروں کی مدد کے ذریعے بلوچستان، خاص طور پر ضلع چمن میں معاشی مواقع بڑھائے جائیں۔ اس سے ذرائع آمدن پر سرحدی پابندیوں کے اثرات کم پڑیں گے۔

3۔ **انسانی ضروریات**: پالیسی وضع کرتے وقت، حکومت کو لوگوں، خاندانوں، خاص طور پر اُن کا خیال رکھنا چاہیے جو سرحد پار سے جُڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی بنیادی ضروریات اور حقوق کا احترام اور تحفظ ضروری ہے۔

5۔ **سلامتی اور نظم و نسق**: قومی سلامتی کے مفادات اور مقامی آبادی کی ضروریات کے مابین توازن پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ علاقے میں لوگوں کی روزمرہ کے معمولات کا خیال رکھتے ہوئے، اسمگلنگ اور سلامتی سے جُڑے مسائل سے نمٹنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔

6۔ **طویل مدتی حل**: معاشی مشکلات اور سرحد پر پائے جانے والے مسائل کے اصل اسباب سے نمٹنے کے لیے پائیدار کوششوں کی ضرورت ہے۔ اِس مقصد کے لیے پائیدار ترقی کے فروغ، سرحد پار تعاون اور بہتر نظم و نسق کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

درہ آدم خیل، کوہاٹ میں کوئلے کے کان کنوں کی اموات

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ۔ مارچ 2024

20 اکتوبر 2023 کو، درہ آدم خیل، کوہاٹ میں کوئلے کے تین کان کن کان میں زہریلی گیسوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ اس کوئلے کی کان میں حادثات مبینہ طور پر خطرناک تسلسل کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں: مثال کے طور پر، اگست کے اوائل میں اس کان میں دھماکا خیز مواد پھٹنے سے دو مزدور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس واقعے کی تحقیقات ضروری سمجھی۔ اس مقصد کے لیے، اکبر خان (وائس چیئر ایچ آر سی پی خیبر پختونخوا)، اعجاز مہمند (ایچ آر سی پی کے رکن) اور شاہد محمود (ریجنل کوآرڈینیٹر ایچ آر سی پی پشاور آفس) پر مشتمل ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن 19 دسمبر 2023 کو تشکیل دیا گیا۔ مشن کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی: (الف) اس کان کا دورہ کرنا جہاں حادثہ پیش آیا تھا، نیز ایک اور کان کا دورہ کرنا جسے ماڈل کان سمجھا جاتا ہے جس میں حادثات کی کوئی تاریخ نہیں ہے؛ (ب) کان کنی اور دھماکوں کے حوالے سے حفاظتی پروٹوکول اور ہنگامی اقدامات کا مشاہدہ کرنا؛ (ج) علاقے کی کوئلے کی کانوں میں مزدوروں کی ہلاکتوں کی بڑی تعداد کے پسِ پردہ وجوہات کا تعین کرنا؛ اور (د) مزدوروں کے دیگر حقوق کے معیارات کی سطح ، جیسے چائلڈ لیبر کا پھیلاؤ، اجرت کی ادائیگی، اور مزدوروں کی موت کی صورت میں دیے جانے والے معاوضے کی سطح کا جائزہ لینا۔

مقامی سہولت کار فیض عالم سے ملاقات
تحصیل درہ آدم خیل کے بارے میں

مشن نے سب سے پہلے درہ آدم خیل میں ایک مقامی سہولت کار فیض عالم سے ملاقات کی جو انسانی حقوق کے دفاع کار اور تاجر ہیں جو کوئلے کی کان کنی کی صنعت میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے مشن کو بتایا کہ درہ آدم خیل ایک قبائلی علاقہ ہے جسے 2018 میں صوبہ خیبر پختونخوا میں ضم کیا گیا تھا اور اسے ضلع کوہاٹ کے ذیلی ڈویژن قرار دیا گیا تھا۔ ان کے مطابق، 2005 میں اس علاقے کے پہاڑوں میں کوئلے کے ذخائر پائے گئے تھے جنہیں سورما کے پہاڑ کہا جاتا ہے۔ تاہم 2006 میں اور اس کے بعد کوئلے کی کھدائی مشکل ہو گئی اور کان کے مالکان دیگر علاقوں میں منتقل ہو گئے، اور کوئلے کے ذخائر پر طالبان قابض ہو گئے۔

جب 2013 میں سیکیورٹی کی صورتحال بہتر ہونا شروع ہوئی تو کوئلے کے نئے ذخائر دریافت ہوئے۔ اس وقت درہ آدم خیل میں تقریباً 500 بڑی اور چھوٹی کوئلے کی کانیں موجود ہیں۔ اگرچہ کوئی سرکاری اعداد و شمار موجود نہیں ہیں، لیکن اس علاقے میں کوئلے کی کان کنی کی صنعت میں تقریباً 15,000 مزدور کام کرتے ہیں، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق ضلع شانگلہ سے ہے۔

کوئلے کی کان کنی کی صنعت کا انتظام کیسے چلایا جاتا ہے؟

فیض عالم نے وضاحت کی کہ جب کوئلے کے ذخائر دریافت ہوتے ہیں تو حکومت حکومتی پالیسی، خیبر پختونخوا مائنز سیفٹی، انسپکشن اینڈ ریگولیشن ایکٹ 2019 کے مطابق علاقے کے مکینوں سے مشورہ کرتی ہے۔ اس مشاورت میں قبائلی لوگ ایک یا دو مالکان تجویز کرتے ہیں۔ اس کے بعد کانوں کے لیز ان مالکان کو جاری کیے جاتے ہیں جو قبائل کے خاندانوں میں محصول کی تقسیم کے دوران حکومت کے ساتھ براہ راست کاروبار کرتے ہیں۔

مالکان مزید کوئلہ نکالنے کا ذیلی ٹھیکہ ایک ٹھیکیدار کو دیتے ہیں جو کان کی انتظامیہ، ساتھی (ایک درمیانی شخص جو گاؤں سے مزدور بھرتی کرتا ہے) اور افرادی قوت تشکیل دیتا ہے۔ مینیجر، جو مالک اور ٹھیکیدار کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے، کان سے ہونے والی آمدنی کا حساب لگاتا ہے۔ ساتھی کی ذمہ داریوں میں کان میں حفاظتی انتظامات کی نگرانی کرنا، دھماکہ خیز مواد سے دھماکا کرنا، اور افرادی قوت کے لیے رہائش اور خوراک کا انتظام کرنا شامل ہے۔

مشن کو بتایا گیا کہ درہ آدم خیل میں کانوں میں 5 سے 150 افراد کام کرتے ہیں اور مختلف اقسام کا کوئلہ نکالا جاتا ہے۔ کوئلے کی قیمتیں 20,000 روپے سے 50,000 روپے فی ٹن تک ہوتی ہیں، جس کا انحصار کوئلے کے گریڈ پر ہوتا ہے، جس کے مطابق اضافی ٹیکس بھی ادا کیے جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس 200 سے 400 روپے فی ٹن ہوتا ہے۔ مزدوروں کو فروخت ہونے والے کوئلے کی فی ٹن کے حساب سے ادائیگی کی جاتی ہے، جس کی ماہانہ اجرت ہوتی ہے۔ مزید برآں، اگر کوئی 50,000 سے 80,000 روپے ہوتی ہے۔ اگر کان کے حادثے میں مزدور کی موت واقع ہو جائے تو ٹھیکیدار متاثرہ فرد کے خاندان کے افراد کو تین سے پانچ لاکھ روپے معاوضہ ادا کرتا ہے۔

متاثرہ فرد کے خاندان کے افراد کو سوشل سیکیورٹی سے 300,000 روپے کی اضافی رقم ملتی ہے۔ اگر حکومت ادائیگی سے انکار کر دے تو کچھ کان مالکان ان اخراجات کو پورا کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ درہ آدم خیل کی کوئلے کی کانوں کو نمبرز تفویض کیے گئے ہیں اور اکتوبر میں جس کان میں تین مزدوروں کی جانیں گئیں وہ کان نمبر 45 تھی۔ تاہم مشن نے پہلے اس کان یعنی کان نمبر 1 کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا جہاں اطلاعات کے مطابق آج تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

کان نمبر 1 کا دورہ

مشن نے نوٹ کیا کہ اس بلند پہاڑی کوئلے کی کان میں حالات انتہائی مشکل تھے۔ یہاں جدید کان کنی کی ٹیکنالوجی کا استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس کے بجائے، کوئلہ نکالنے کی روایتی تکنیکوں کا استعمال کیا جا رہا تھا اور کان کن مناسب حفاظتی سامان کے بجائے صرف پلاسٹک کے عام جوتے اور شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے۔ کان کے اندر کوئلہ باہر نکالنے اور ہنگامی اخراج کے لیے ایک ریل پٹری نصب کی گئی تھی۔ لوہے کی رسی کو ٹرالی کو سہارا دینے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جو ٹریک کے اوپر نصب تھی۔

مشن نے کان میں مزدوروں سے بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں ذاتی حفاظتی سامان اور ہیلمٹ کی کمی جیسے کئی اہم مسائل درپیش تھے جن پر فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ کئی حادثات بھی رونما ہوتے ہیں جس سے ان کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ایک کان کن علی گل خان نے مزید کہا کہ کام کے حالات کافی ناگفتہ بہ ہیں۔ مثال کے طور پر، کھانے کے اخراجات کان کن خود برداشت کرتے ہیں۔ جب کان کے معائنے کے بارے میں پوچھا گیا تو مزدوروں نے بتایا کہ ابھی تک کسی سرکاری اہلکار نے کان کا دورہ نہیں کیا تھا، اور نہ ہی کان کنی کے محکمے کے کسی نمائندے نے کان میں حفاظتی اقدامات کا معائنہ کرنے کے لیے وہاں کا دورہ کیا تھا۔ اس کے بجائے، سرکاری اہلکار صرف کان کے مالکان، ٹھیکیداروں اور مینیجرز کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔

کان کنوں کا مزید کہنا ہے کہ وہ کوئلے کی دھول میں سانس لینے کے باعث وقت کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں، جیسے کہ سانس اور جلد کی بیماریاں۔ اگر کان میں کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو آس پاس

صحت کی کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ ڈاکٹر اس کے بجائے نازک حالت والے مریضوں کو پشاور منتقل کر دیتے ہیں۔ کارکنوں نے ایک مکمل سہولیات سے لیس ہسپتال اور مزدوروں کے لیے رہائشی کالونی تعمیر کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ حکومت کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہر کان کے قریب طبی سہولت موجود ہو۔ جب ان سے کانوں سے متعلق حفاظتی پالیسیوں کے حوالے سے ان کے علم کے بارے میں پوچھا گیا تو کان کنوں نے جواب دیا کہ ایسی کوئی پالیسی موجود نہیں۔ چائلڈ لیبر لیب کے حوالے سے کارکنوں نے بتایا کہ چائلڈ لیبر کے غیر قانونی ہونے کے باوجود، کچھ غربت زدہ خاندان اپنے بچوں کی عمر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں تاکہ وہ کام کر سکیں اور اپنے گھر والوں کے لیے آمدنی حاصل کر سکیں۔

فیض عالم نے مشن کو بتایا کہ کانوں کا ریکارڈ ہر کان میں منیجر کے دفتر میں رکھنا ضروری ہے۔ تاہم کانس نمبر 1 میں منیجر کا دفتر بند پایا گیا اور جب مشن نے ریکارڈ رکھنے کے بارے میں استفسار کیا تو انہیں بتایا گیا کہ منیجر روزانہ کی بنیاد پر دورہ نہیں کرتے اس لیے ریکارڈ انتظامیہ کے پاس ہے۔ ساتھی اور منیجر حکومت کے فراہم کردہ فارمز کی مطابقت میں حفاظتی پروٹوکولز، جیسے کہ زیر زمین درجہ حرارت، گیس کی کثافت، پانی کی موجودگی، اور کان کی روزمرہ پیمائش کا جائزہ لینے کے لیے ہر شفٹ کے آغاز میں کان کا دورہ کرتے ہیں۔ یہ ریکارڈ پھر منیجر کے دفتر میں رکھا جاتا ہے جب کہ کارکن اور ساتھی اپنے معمول کے کام انجام دیتے ہیں۔ تاہم، مزدوروں کو بارودی مواد خود کان کے اندر رکھنے کا کام سونپا جاتا ہے، جو قانون کے خلاف ہے۔ قانون کے تحت لازم ہے کہ اس کام کے لیے کسی ماہر کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جب کان کنی کی تربیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو کان کے ساتھی مسٹر عبدالحمید نے مشن کو بتایا کہ انہیں کان کنی کی تربیت دی گئی تھی لیکن یہ محض کاغذی کارروائی تھی۔

مقامی سول ہسپتال کا دورہ

کان نمبر 1 کے دورے کے بعد، مشن درہ آدم خیل کے سول ہسپتال گیا جہاں اس نے ڈاکٹر وقار خان اور ڈاکٹر نسیم اللہ سے ملاقات کی۔

سول ہسپتال میں ڈاکٹروں سے ملاقات

ڈاکٹروں نے مشن کو بتایا کہ روزانہ تین سے پانچ کان کن ایک مقامی گاڑی کے ذریعے ہسپتال میں علاج کے لیے آتے ہیں۔ زیادہ تر مریض کوئلے کی کان کے اندر بھیڑ کی وجہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو شدید بیمار ہوجاتے ہیں انہیں پشاور ریفر کر دیا جاتا ہے۔ تاہم، چونکہ کوئلے کی کانیں ہسپتال سے کافی فاصلے پر واقع ہیں، اس لیے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی مریضوں کی حالت اکثر خراب ہو جاتی ہے۔ اس ہسپتال میں زندگی بچانے والی ادویات، اور سرجیکل سہولت جیسی ضروری سہولیات کا بھی فقدان ہے۔ درحقیقت، سرجن کا عہدہ برسوں سے خالی ہے۔

ڈاکٹروں کے مطابق، کان کنوں کو جن دو اہم خطرات کا سامنا ہے وہ ان کا کوئلے کی دھول اور کاربن مونو آکسائیڈ کی زد میں ہونا ہے۔ کارکن پتھر یا دھماکا خیز مواد گرنے سے زخمی ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے ان واقعات کو یاد کیا جب کان کے گرنے اور دھماکا خیز دھماکوں سے کان کن زخمی ہوئے اور یہاں تک کہ جھلس گئے، لیکن وہ اپنے محدود وسائل سے صرف پلاسٹر لگانے کے ہی قابل ہو سکے۔ تین ماہ گزر گئے، ہسپتال کے بجلی کے بل ادا نہیں کیے گئے جس سے عملہ بجلی سے محروم ہے۔ کان کے مالکان اور دوسرے امیر افراد ہسپتال کے لیے مالی تعاون کرتے ہیں، جیسے کہ ایکسرے مشین، جنریٹر فراہم کرنا اور ان آلات کی دیکھ بھال کے اخراجات کو پورا کرنا اور یہاں تک کہ الٹرا ساؤنڈ مشین بھی حال ہی میں انہوں نے ہی عطیہ کی ہے۔ تاہم، اس طرح کے عطیات پائیدار حل نہیں ہیں۔

ہسپتال 1950 سے کام کر رہا ہے۔ صوبے کے انضمام سے پہلے، وفاقی حکومت 8 ملین سے 8.5 ملین روپے صرف ادویات کی خریداری کے لیے مختص کر رہی تھی، جس میں دیکھ بھال کے لیے اضافی فنڈ تھا۔ تاہم، انضمام کے بعد، 1PKR ملین سے 1.2 ملین کے درمیان سالانہ دواؤں کے لیے وصول کیے جاتے ہیں، جس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی فنڈز نہیں ہیں۔ ہسپتال کے آؤٹ پیشنٹ ڈیپارٹمنٹ (OPD) میں روزانہ مریضوں کی آمد 120 تک پہنچ سکتی ہے۔ ہسپتال میں 10-12 ڈاکٹر ہیں جو ڈیوٹی بانٹتے ہیں، اور ایک وقت میں چار سے پانچ ڈاکٹر ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔

مائن نمبر 45 کا دورہ

جب مشن مائن نمبر 45 پر پہنچا، جہاں کان کے تین کارکن زہریلی گیسوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے تو کان کا منیجر یا دیگر متعلقہ عملہ سائٹ پر موجود نہیں تھا۔ قریبی کوئلے کی کان میں کام کرنے والے مزدوروں نے دعویٰ کیا کہ حادثے کے بعد سے حکومت نے کان کو بند کر دیا ہے۔

ان کان کنوں کے مطابق، کان نمبر 45، جو حکومت کے ساتھ رجسٹرڈ ہے، فضل سبحان کی ملکیت ہے اور اس کا انتظام نثار خان چلاتے ہیں۔ کان کے اندر تازہ ہوا کے لیے حفاظتی اقدامات نہیں کیے گئے تھے۔ مزدوروں نے مزید انکشاف کیا کہ واقعہ سے قبل صوبائی حکومت کے محکمہ معدنیات کے ایک انسپکٹر نے کان کا دورہ کیا تھا اور کان کو خطرناک قرار دیتے ہوئے موقع پر ہی کان کو بند کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا تھا کہ یہ کان کنی کے لیے موزوں نہیں ہے۔ تاہم کان کنی کا کام غیر قانونی طور پر جاری رہا۔ کان کن اس موضوع پر مزید بات کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ انہیں غالباً اپنی ملازمتوں سے محروم ہو جانے کا خدشہ تھا۔

مشن کو پتا چلا کہ کان کا دفتر بند تھا اور اس واقعے سے متعلق مائن انسپکٹر کی جانب سے کوئی تنبیہ جاری نہیں کی گئی تھی۔ جب ٹیم نے کان کنوں سے پوچھا کہ کیا اس واقعے کی ایف آئی آر درج کی گئی تھی تو انہیں پتا چلا کہ وہ پالیسیوں کی زیادہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔ سائٹ پر کان کنی کے حوالے سے کوئی راہنما ہدایات بھی درج نہیں تھیں۔

درہ آدم خیل کول مائن لیبر یونین سے ملاقات

اس کے بعد مشن نے آدم خیل کے مرکزی بازار میں واقع مقامی کول مائن ورکرز یونین کے دفتر کا دورہ کیا۔ یونین کے صدر سرفراز خان ضلع شانگلہ کے رہائشی تھے۔ سرفراز خان کے مطابق، حکومت ان کی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے یا ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوئی مدد فراہم کرنے میں ناکام ہے، جس کی عدم موجودگی میں، یونین خود مزدوروں کی مدد کرتی ہے۔ اگرچہ یونین مستقل بنیادوں پر حکومت کے ساتھ بات چیت کرتی ہے، تاہم سرفراز خان کا کہنا ہے کہ حکومت اپنی ہی وضع کی گئیں پالیسیوں پر عمل نہیں کرتی۔ یونین نے الزام لگایا کہ کوئلہ مالکان اور حکومت کے درمیان گٹھ جوڑ ہے۔ مثال کے طور پر، کان کنی کے دوران مزدور کی موت کی صورت میں، حکومت مزدور کے خاندان کو 300,000 روپے فراہم کرنے کی پابند ہے۔ تاہم، حکومت کی طرف سے اس ذمہ داری کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

کوئلے کی کانوں کے ساتھ ساتھ ہسپتالوں میں بھی ناکافی طبی سہولیات دیکھی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ مائن انسپکٹر سائٹ کے دورے پر قابلیت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا ذمہ دار ہے، تاہم یہ انسپکٹر یہ ذمہ داری کو انجام نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ مالک اور منیجر سے غیر رسمی بات چیت کرتے ہیں۔ سرفراز خان کے مطابق، درہ آدم خیل میں اس وقت 450 کوئلے کی کانوں پر کام جاری ہے، جب کہ 40 سے 50 کانیں اختلافات اور سرمایہ کاری کے لیے ناکافی فنڈز کی وجہ سے بند کر دی گئی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مزدوروں کو مکمل مائننگ کٹ کے علاوہ ماسک جو کان کنوں کو کوئلے کی دھول سے بچاتے ہیں اور اس کی قیمت 15,000 روپے فی یونٹ ہے، فراہم کرنا مائن منیجر کی ذمہ داری ہے۔ تاہم وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ زیادہ تر کان کن روایتی طریقوں کا استعمال کرتے ہوئے کوئلہ نکالنے کا کام جاری

رکھے ہوئے ہیں، جن میں سے چند ہی جدید دور کی مشینری استعمال کرتے ہیں۔اس کے برعکس دعووں کے باوجود،عصری کان کنی کی تکنیکوں کے لیے حکومت کے زیر اہتمام تربیت بھی نہیں دی جاتی۔ جب بھی کوئی حادثہ ہوتا ہے تو مزدوروں کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

صوبائی محکمہ ترقی معدنیات کے چیف انسپکٹر سے ملاقات

آخر میں، مشن نے 28 دسمبر 2023 کو محکمہ ترقی معدنیات خیبر پختونخوا کے چیف انسپکٹر فضل رازق سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔

فضل رازق کے مطابق درہ آدم خیل میں بارودی سرنگوں کی نگرانی کے لیے پندرہ انسپکٹر تعینات ہیں۔ یہ انسپکٹر اکثر کوئلے کی کانوں کا دورہ کرتے ہیں اور اپنی جائزہ رپورٹس ان کے دفتر میں جمع کراتے ہیں۔ مزید برآں، کان نمبر 45 پر سانحہ سے ایک ہفتہ قبل، ایک انسپکٹر نے کان کا دورہ کیا اور اس وقت اسے بند کر دیا۔ تاہم، فضل رازق نے دعویٰ کیا کہ انہیں بعد میں معلوم ہوا کہ کوئلہ نکالنے کا عمل بند نہیں ہوا تھا، اور یہ کہ مزدوران کے ملنے سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔

جب مشن نے حادثے کی رپورٹ اور قابلیت کے سرٹیفکیٹ تک رسائی کی درخواست کی تو فضل رازق نے انہیں بتایا کہ ریکارڈ کو برقرار رکھنے کا ذمہ دار کلرک اس وقت چھٹی پر ہے اور یہ کہ رپورٹ بعد میں فراہم کی جائے گی (واضح رہے کہ بار بار درخواستوں کے باوجود رپورٹ اب تک فراہم نہیں کی گئی)۔ چیف انسپکٹر کے مطابق، محکمہ نے مائن منیجر اور مالک کے خلاف تادیبی کارروائی بھی شروع کر دی ہے، اور یہ کہ کان پر اب کام نہیں ہو رہا۔

انہوں نے کہا کہ درہ آدم خیل میں 80 فیصد سے زائد کانیں خیبر پختونخوا کے ساتھ انضمام سے قبل کھلی تھیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ان پر حکومت کا اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ کان کنی کے حادثات اس وقت اکثر ہوتے رہے تھے، لیکن انضمام کے بعد ان میں نمایاں کمی آئی ہے۔ جب مشن نے ان سے غیر قانونی کانوں کے حوالے سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت درہ آدم خیل میں کوئلے کی 436 کانیں ہیں جن میں سے ہر ایک ان کے محکمہ کے ساتھ رجسٹرڈ ہے۔ تاہم، انہیں کان کا کوئی ریکارڈ فراہم نہیں کیا گیا۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ اب تک 12,000 سے زائد کان کنوں نے محفوظ کان کنی کے طریقوں کی تربیت حاصل کی ہے، لیکن یہ کان کن اس تربیت کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ مالک ہیلمٹ فراہم کرتا ہے، لیکن کان کن ان کا استعمال نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ حادثات میں کان کے مزدوروں کی لاپرواہی کا بھی عمل دخل ہوتا ہے، اور کوئی دوسری صنعت وہ مراعات نہیں دیتی جو کوئلے کی کان کنوں کو حاصل ہوتی ہے، جیسے کہ کوئلے کی کان کے مالکان کی جانب سے مالی امداد۔ جب مشن نیانٹرویو کے دوران کان کنوں کی جانب سے اجاگر کیے گئے مسائل کا ذکر کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

انہوں نے مزید کہا کہ کوئلے کی کانوں میں حفاظت کی مکمل ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ مزید برآں، محکمہ میں ماہرین ارضیات اور کوئلے کی کان کنی کے دیگر تکنیکی ماہرین کا فقدان ہے، اور ان کے پاس تحقیق کے لیے خاطر خواہ وسائل نہیں ہیں۔ غیر قانونی طریقوں کے بارے میں چیف انسپکٹر کا کہنا ہے کہ ہر کان کے مالک اور منیجر کو سختی سے ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر کوئی مزدور قانون کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس دن کی اجرت نہ دیں۔

ماحصل اور سفارشات

فیکٹ فائنڈنگ مشن نے کوئلے کی کانوں میں پیشہ ورانہ حفاظت کے حوالے سے کانوں کے مالکان اور صوبائی حکومت کی جانب سے کافی حد تک کوتاہی کا مشاہدہ کیا۔ خیبر پختونخوا مائنز سیفٹی، انسپکشن اینڈ ریگولیشن ایکٹ 2019 میں طے شدہ قواعد اور پروٹوکول کا ان کانوں پر مناسب طور پر اطلاق نہیں کیا گیا تھا جن کا مشن نے دورہ کیا تھا، اور نہ ہی معدنیات کی ترقی کے محکمے کے پاس قانون کے نفاذ کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔

کان کنوں نے مشاہدہ کیا کہ وہ حفاظتی سامان اور ہیلمٹ نہیں پہنے ہوئے تھے جو انہیں کام کے خطرناک حالات سے بچانے کے لیے ضروری تھے۔ مزید یہ کہ بارودی سرنگوں کے باہر کہیں بھی حفاظتی احتیاطی تدابیر کے بارے میں کوئی تحریری ہدایات درج نہیں تھیں۔ محکمہ صحت، محکمہ ترقی معدنیات اور کوئلے کی کانوں کی مزدور یونین کے درمیان ہم آہنگی کا واضح فقدان موجود ہے، اور حکومت اور کوئلے کی کانوں کی انتظامیہ دونوں کے پاس ریکارڈ موجود نہیں۔ آخر میں، مشن کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئلے کے کان کنوں نے بھی اپنی حفاظت کے بارے میں لاپرواہ دکھائی دیتے تھے، ان میں کان کنی کی تکنیکی معلومات اور اپنے حقوق کے تحفظ سے متعلق قوانین سے آگاہی کا فقدان تھا۔ ان کے لباس اور کھانے کے انتظامات کی صورت حال بھی خوفناک تھی۔

مشن اپنے دوروں اور ملاقاتوں کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

☆ کانوں کے تحفظ کے طریقہ کار کو کنٹرول کرنے والے قانون میں اصلاحات کریں تاکہ اسے زمینی حقائق کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے، خاص طور پر کان کے انتظام کے ڈھانچے: کام کان کے مالک اور مزدوروں کے بجائے مالک کے ایجنٹوں اور ٹھیکیداروں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ قانون میں اس بات کا بھی ذکر ہونا چاہئے کہ کس قسم کی مشینری استعمال کی جانی چاہئے اور شرائط اور حفاظتی پروٹوکول کیا ہونے چاہئیں۔ اگر کان کنی کے کم از کم معیارات کو پورا نہیں کیا جاتا تو کان کو مستقل طور پر بند کر کے اسے غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔

☆ کان کنی کی تمام سرگرمیوں اور پروٹوکولز کا ریکارڈ رکھا جائے اور انہیں دستاویزی شکل دی جائے۔ جیسے ہی کوئی غیر معمولی تغیر پایا جائے تو حفاظتی پروٹوکول کا حامل ایک ابتدائی انتباہی نظام شروع کیا جائے۔ کانوں میں کسی بھی خلاف معمول واقعے اور حادثات کی فوٹیج حاصل کرنے کے لیے کیمروں کا بھی استعمال کیا جائے۔

☆ کان کی انتظامیہ، مالکان، ایجنٹوں، اور کارکنوں کو حفاظتی طریقہ کار، ریکارڈ رکھنے اور رپورٹ لکھنے کی ہدایت کی جائے۔ عدم تعمیل پر بھی سخت سزا دی جائے۔ مزدوروں کی تربیت کے لیے کان کنوں کی یونینوں کی مدد بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

☆ کانوں کے اندر بارودی مواد کے استعمال کے لیے ہدایات اور معیارات تشکیل دیے جائیں اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ ایسے خطرناک اور تکنیکی کام صرف تربیت یافتہ افراد ہی انجام دینے چاہئیں۔

☆ یقینی بنایا جائے کہ کوئلے کی کانوں کے ملازمین باضابطہ طور پر ان معاہدوں کے ساتھ رجسٹرڈ ہوں جن میں معقول تنخواہ اور کام کے حالات شامل ہیں تاکہ ان کی صحت اور پیشہ ورانہ تحفظ کو بہتر بنایا جا سکے۔ کوئی مزدور جو رجسٹرڈ نہ ہو اسے کوئلے کی کانوں میں کام کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔

☆ یقینی بنائیں کہ مزدوروں یا ان کے اہل خانہ کو موت یا چوٹ کی صورت میں معاوضے کی ادائیگی بروقت کی جائے۔

☆ کان میں کام کرنے والے مزدوروں، خاص طور پر شدید بیمار ہونے والوں کو مناسب طبی علاج فراہم کرنے کے لیے سول ہسپتال کی استعداد میں اضافہ کیا جائے۔

حکام کو جگانے کے لیے گوادر کو کتنے سیلابوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

یکم مارچ کی آدھی رات کو، میرے موبائل فون پر ایک پیغام آیا: "میری آنکھوں کے سامنے ایک اور گھر گر گیا۔" یہ پیغام ایک دوست کا تھا جو گوادر میں ایک غیر سرکاری تنظیم ہیلپنگ ہینڈ فاؤنڈیشن کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اس کے بعد آنے والے خاندان اور دوستوں کے دیگر پیغامات اور کالز نے مجھے پریشان کر دیا۔

پاکستان کے جنوب مغربی ساحلی ضلع گوادر میں 30 گھنٹے طویل موسلا دھار بارش کے نتیجے میں سیلاب نے بڑے پیمانے پر نقصان پہنچایا۔ انتظامیہ نے ریسکیو اور امدادی سرگرمیوں میں سہولت کے لیے ضلع میں ہنگامی حالت کا اعلان کیا۔ لیکن کئی دن گزرنے کے باوجود امدادی سامان ابھی تک بہت سے لوگوں تک نہیں پہنچ سکا۔

سیلاب سے ہزاروں افراد متاثر ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں لوگ اپنے گھر بار اور مویشی کھو چکے ہیں۔ زرعی زمین زیر آب ہے۔ آس پاس کے دیہات زیر آب ہیں اور مرکزی شہر اور شاہراہوں سے کٹے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے امدادی کاموں اور ریسکیو ٹیموں کو ان تک پہنچنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

ملا فضل چوک جو کسی زمانے میں کافی پر رونق ہوا کرتا تھا کی تصاویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوادر کا معروف ٹاؤن سینٹر دریا میں تبدیل ہو چکا ہے۔ سیوریج کے ساتھ ملا ہوا پانی گہرا سبز ہے۔ شہر کی زیادہ تر دکانیں اور مکانات زیر آب آ گئے ہیں۔

گوادر میں اپنے اصل گھر سے بہت دور کینیڈا کے صوبے البرٹا میں اپنے موجودہ گھر میں اپنے آرام دہ کمرے میں بیٹھا، تصویروں اور پیغامات کو اسکرول کرتا ہوں۔ میں جرم کے شدید احساس سے مغلوب ہوں، اور گوادر میں اپنے پیاروں کے ساتھ رہنے کی خواہش سے بھرا ہوا ہوں۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ گوادر ڈوب گیا ہو اور سنگین صورتحال کے باعث ہنگامی حالت کا اعلان کیا گیا ہو۔ اس سے پہلے کہ حکام انفراسٹرکچر کو اس طرح سے بہتر کریں جس سے نقصان کو کم کیا جائے، اسے کتنی بار سیلاب کا سامنا کرنا پڑے گا؟

گوادر کو 2005 اور 2010 میں بھی شدید سیلاب کا سامنا کرنا پڑا۔

آج یہ ایک الگ شہر ہے۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے ایک جز کے طور پر یہاں ایک وسیع اور جدید گہرے سمندر کی بندرگاہ اور رابطے کا بنیادی ڈھانچہ تعمیر کیا گیا ہے۔ ضلع اور اس کے گردونواح میں انفراسٹرکچر کی ترقی میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ خطہ قدرتی آفات کا شکار ہونے کے لیے جانا جاتا ہے، قدرتی آفات پر قابو پانے کا ایک فعال نظام اور قبل از وقت انتباہ کا نظام ابھی تک موجود نہیں ہے۔

گوادر ضلع چار بڑی تحصیلوں یا ذیلی اضلاع پر مشتمل ہے: گوادر شہر، اورماڑہ، پسنی اور جیوانی۔ اس کی 600 کلومیٹر لمبی ساحلی پٹی، کل زمینی رقبہ 12,637 مربع کلومیٹر، اور آبادی تقریباً 260,000 افراد پر مشتمل ہے۔

یونیسکو نے طویل عرصے سے پاکستان کی پوری ساحلی پٹی کو ساحلی آفات، سیلاب، زلزلوں اور سمندری طوفانوں کے باعث شدید خطرے سے دوچار خطہ قرار دیا تھا۔ اس کے باوجود چھوٹے شہروں سے لے کر بڑے شہروں تک کوئی بھی دو دن کی بارش کے لیے تیار نہیں۔ خطے کی کثیر جہتی غربت کی بلند شرح اسے اور بھی زیادہ خطرے اور نقصان سے دوچار کرتی ہے۔

گوادر میں مقیم محقق اور ہائیڈرولوجسٹ پذیر احمد نے دی ڈپلومیٹ کو بتایا کہ گوادر کا غیر معمولی محل وقوع، سطح سمندر سے معمولی بلندی کا حامل ایک نشیبی ساحلی علاقہ، اسے آفات کے حوالے سے انتہائی خطرناک بناتا ہے۔

گوادر شہر تین اطراف سے پانی میں گھرا ہوا ہے۔ پذیر احمد نے نشاندہی کی کہ "زیرزمین پانی کی سطح میں اضافے کے علاوہ سمندر کی سطح میں اضافہ خطرات کو بڑھا رہا ہے۔ فضل چوک اور شاہین چوک شہر کے ان کئی علاقوں میں شامل ہیں جو کم بلندی پر ہیں۔ بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے کیونکہ یہاں کوئی مکمل طور پر فعال نکاسی کا نظام موجود نہیں ہے۔ جہاں تک فقیر کالونی کا تعلق ہے تو یہ ایک دریا کے میدانی علاقے پر بنی ہوئی ہے،"

انہوں نے مزید بتایا کہ "فطرت بھی ایک عنصر ہے، لیکن شہری منصوبہ بندی میں بھی خرابیاں ہیں۔"

گوادر کا پانی کے ساتھ ایک پیچیدہ رشتہ ہے۔ مسلسل کئی سالوں تک بارش نہیں ہوتی اور لوگوں کو خشک سالی اور پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کئی دنوں تک بارشیں ہوتی ہیں، جو سیلاب پر منتج ہوتی ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی کے ساتھ، یہ انداز نئے معمول بن رہے ہیں۔

شہروں کو سیلاب سے بچانے کے لیے شہری منصوبہ ساز اضافی پانی کو شہر سے باہر رکھنے پر توجہ مرکوز کر رہے ہیں اور اکثر گرے انفراسٹرکچر، جیسے کہ پانی کی نکاسی اور پانی کو برقرار رکھنے کے بنیادی ڈھانچے کا نیٹ ورک جیسے کہ پائپ، گڑھے، پل اور پانی کو برقرار رکھنے والے تالاب کی طرف رخ کر رہے ہیں تاکہ سیلاب سے بچا جا سکے۔

ایک مقامی سماجی ترقی کی تنظیم کے سربراہ ناصر رحیم سہرابی نے دی ڈپلومیٹ کو بتایا کہ "پہلے زمانے میں شہر کے دونوں اطراف میں سمندر کی جانب پانی کا قدرتی بہاؤ تھا، جواب دونوں طرف سڑکوں کی تعمیر کے باعث متاثر ہوا ہے۔" انہوں نے کہا کہ گوادر ڈویلپمنٹ اتھارٹی (جی ڈی اے) کی جانب سے بنائے گئے چند نالے اور زمین دوز نالیاں بڑی مقدار میں پانی نکالنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔

گوادر شہر کے جنوب میں 11 کلومیٹر لمبا کوہ بتیل ہے، جو 150 میٹر اونچی سرزمین ہے جو شہر کو کھلے سمندر سے بچاتا ہے۔ مشرق میں چھ رویہ ایسٹ بے ایکسپریس وے، اور شہر کے مغربی حصے میں ساحلی پٹی کے ساتھ ایک دو طرفہ سڑک میرین ڈرائیو موجود ہے۔

جی ڈی اے کے ایک سول انجینئر سمیع بلوچ نے بتایا کہ "ایسٹ بے ایکسپریس وے اور میرین ڈرائیو دونوں میں نکاسی آب کا نظام موجود ہے۔ حالیہ بارشوں کا بہت سا پانی ان نالوں سے گزر کر سمندر میں چلا گیا۔"

اس کے باوجود نکاسی آب کا نظام شہر سے پانی کو باہر نہ رکھ سکا۔ اس کے بجائے سڑکوں اور رہائشی علاقوں میں پانی جمع ہو کر گھروں میں داخل ہو گیا۔

احمد نے بتایا کہ "یہاں سب سے بڑا مسئلہ شہر کا جغرافیہ ہے۔ زیادہ تر پرانے محلے نچلی بلندی والے علاقوں میں واقع ہیں۔ نئی سڑکیں — ایسٹ بے ایکسپریس وے اور میرین ڈرائیو — زیادہ بلندی پر ہیں اور یہاں نکاسی آب کے نظام موجود ہیں۔ لیکن آس پاس کے زیادہ تر محلے نچلی بلندی والے علاقوں میں واقع ہیں۔ یہ محلے پرانے اور کسی منصوبہ بندی کے بغیر بنائے گئے ہیں اور یہاں نکاسی آب کا نظام موجود نہیں۔"

اگرچہ جی ڈی اے نے شہر کے لیے کئی ماسٹر پلان پیش کیے، لیکن کسی نے بھی شہر کے رہائشی علاقوں پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

انہوں نے مزید کہا کہ "ہمیں علاقے کے جغرافیہ اور ارضیات میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اعداد و شمار اکٹھا کرنے میں سرمایہ کاری کی جائے اور اسے شراکتی حکمت عملی کے ساتھ جوڑا جائے۔"

"اعداد و شمار آپ کو بتاتے ہیں کہ نکاسی آب کہاں ہونی چاہیے، رہائشی علاقے کہاں اور کیسے بنائے جانے چاہئیں، اور یہ کہ تعمیراتی ضوابط کیا ہیں۔ ایک شراکتی نقطہ نظر جہاں حکومت، بڑے شراکت دار اور رہائشی مل کر کام کرتے ہیں، بہتر منصوبہ بندی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں منصوبہ بندی کا

کوئی وجود نہیں۔ علاقے میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کے لیے، رہائشیوں کو معاوضہ دینا بھی بہت ضروری ہے۔"

فی الحال، شہر کے بیشتر علاقوں میں پانی کو بڑے پانی کے ٹینکروں کے ذریعے باہر نکالا جا رہا ہے۔

ناصر بلوچ سہرابی نے کہا کہ "شہر کے کچھ حصوں میں، نکاسی کی سہولت کے لیے بڑی خندقیں کھودی جا رہی ہیں، یہ ایک فوری حل ہے۔"

اب تک تمام نکاسی اور امدادی کام گوادر شہر پر مرکوز ہیں۔ پشوکاں کے رہائشی عنایت اللہ بلوچ نے کہا، "پشوکاں جیسے بہت سے دیہات، جہاں لوگ اپنے گھر، مویشی اور ماہی گیری کی کشتیاں کھو چکے ہیں، بڑی سڑکوں سے کٹ گئے ہیں اور انہیں بہت کم مدد مل رہی ہے۔"

پاکستان کے نئے وزیر اعظم کے طور پر حلف اٹھانے کے اگلے ہی روز شہباز شریف نے گوادر کا دورہ کیا، جہاں انہوں نے ضلع کے لیے امدادی پیکج کا اعلان کیا۔ انہوں نے تباہ شدہ مکانات کی تعمیر نو میں مدد کرنے اور بے گھر ہونے والے لوگوں میں روزانہ 7,000 راشن بیگ تقسیم کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے گھر اور لواحقین کو کھو دیا ہے انہیں چار دن کے اندر امدادی پہنچا دیا جائے گا۔

تاہم، لوگ شبہات کا شکار ہیں۔ عنایت اللہ نے شکایت کی کہ 2022" میں، ہمارے بہت سے لوگوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ وہاں سرکاری سروے ہوئے، لیکن کسی کو کوئی مدد نہیں ملی۔"

اگرچہ معاوضہ اور ریلیف وقت کی ضرورت ہے، لیکن سیلاب کے نتیجے میں آنے والے بنیادی مسائل کو حل کرنا اہم ہے۔ پاکستان ان ممالک میں آٹھویں نمبر پر ہے جہاں سیلاب اور ساحلی سیلاب کا سب سے زیادہ خطرہ ہے۔

آگے کا راستہ ان علاقوں کی نشاندہی کرنا ہے جو سیلاب سے سب سے زیادہ خطرے سے دوچار ہیں اور مزید لچکدار منصوبہ بندی کا انتخاب کریں۔ بہتر ڈیزاسٹر مینجمنٹ، غربت کا خاتمہ اور شہری ترقی اور منصوبہ بندی سے شدید بارشوں کے اثرات کم ہوں گے۔

پاکستان میں نیٹ ورک اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کی مسلسل بندش پر سول سوسائٹی کا بیان

15 مارچ، 2024: ہم، انسانی حقوق کے کارکنوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کا ایک اتحاد، پاکستان میں عام انتخابات سے قبل اور اس کے بعد انٹرنیٹ کی بندش اور سوشل میڈیا پلیٹ فارم بلاک کرنے کے بڑھتے ہوئے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اقدامات نہ صرف آزادی اظہار اور معلومات تک رسائی کے بنیادی حقوق کے منافی ہیں بلکہ ملک میں تکثیری آوازوں سمیت حقیقی سیاسی گفتگو کا گلا گھونٹنے کی ایک پریشان کن مثال بھی قائم کرتے ہیں۔

17 فروری 2024 سے "X" (سابقہ ٹویٹر) کی طویل اور غیر اعلانیہ بندش سمیت دیگر پلیٹ فارمز کو بلا روک ٹوک بلاک کرنا ملک میں بڑھتی ہوئی ڈیجیٹل سنسر شپ کی ایک سنگین مثال ہے۔ اس طرح کے اقدامات نہ صرف متنوع سیاسی آوازوں کا گلا گھونٹ دیتے ہیں بلکہ یہ ایسا ماحول بھی پیدا کر دیتے ہیں جو غلط معلومات کو پھیلانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ آج، ڈیجیٹل پلیٹ فارم عوامی بحث کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور ان ڈیجیٹل ذرائع کے ذریعے معلومات کے آزادانہ پھیلاؤ کو یقینی بنانا ایک باخبر معاشرے اور منصفانہ انتخابی عمل کے لیے ناگزیر ہے۔ جب ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کو دبایا جاتا ہے، خاص طور پر شفافیت کے بغیر تو اکثر قانونی عمل کی پاسداری کا خیال نہیں رکھا جاتا اور اس سے پاکستان کے بین الاقوامی قانون عہد و پیماں متاثر ہوتے ہیں۔

پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کی مکمل خاموشی انتہائی تشویشناک ہے کیونکہ وہ اپنے اقدامات کا کوئی جواز پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں اور اس نے پورے انٹرنیٹ پلیٹ فارم کو بلاک کر کے اپنے مینڈیٹ سے تجاوز کیا ہے۔ فیصلہ سازی کے عمل میں نیٹ ورک کی بندش اور پلیٹ فارم کو بلاک کرنے اور کسی بھی جوابدہی کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کے عمل میں شفافیت کی عدم موجودگی کے باعث ریاست اور اس کے شہریوں کے درمیان اعتماد واضح طور پر ختم ہو چکا ہے۔ ہم وی پی اینز کی بندش، معلومات تک لوگوں کی رسائی اور رازداری کے حق کو مجروح کرنے کی رپورٹس سے بھی پریشان ہیں۔

ان خدشات کی روشنی میں، ہم پاکستان میں ڈیجیٹل سنسر شپ کے خاتمے کے لیے فوری کارروائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ خاص طور پر، ہم حکومت اور عوامی اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ:

پاکستان میں ٹویٹر/ایکس کو فوری طور پر بحال کیا جائے۔

- قانون کی دفعات جیسے کہ پیکا کے سیکشن 37 کو منسوخ کیا جائے جو سنسر شپ کی اجازت دیتا ہے اور آزادی اظہار اور پریس کی آزادی کے حق سے متعلق آرٹیکل 19 اور معلومات تک رسائی کے حق سے متعلق آرٹیکل A-19 کے منافی ہے۔

ایسے فیصلوں پر شفافیت کے ساتھ عمل کیا جائے جو انٹرنیٹ کے آزادانہ استعمال کو متاثر کرتے ہیں، خاص طور پر سیاسی اور معاشی مقاصد کے لیے۔

ایک وضاحتی بیان جاری کیا جائے جس میں "X" اور دیگر متاثرہ پلیٹ فارمز کی بندش کی وجوہات اور قانونی بنیادوں کی نشاندہی کی جائے۔

- مستقبل میں ایسے اقدامات سے گریز کیا جائے جو معلومات کے آزادانہ پھیلاؤ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور ممالک کے اندر سیاسی بحث کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں، انٹرنیٹ پر کنٹرول اور سنسر شپ کو بڑھانے والی تمام قانون سازی سے متعلق تجاویز واپس لی جائیں جن میں پچھلی حکومت کے دور کا ای سیفٹی بل بھی شامل ہے۔

شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے (آئی سی سی پی آر) اور انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے تحت آزادی اظہار اور معلومات تک رسائی کے حق کو برقرار رکھنے کے پاکستان کے وعدوں کی پاسداری کی جائے۔

ہم آنے والی حکومت، ضوابط تشکیل دینے والوں اور دیگر عوامی اداروں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس بات کو تسلیم کریں کہ کوئی بھی ایسا عمل جو معلومات کے پھیلاؤ کو متاثر اور شہریوں کی اظہار رائے کی قابلیت کو محدود کرتا ہو اس کا سیاسی شرکت کے حق سمیت شہریوں کے انسانی حقوق پر براہ راست اور دیرپا اثر پڑتا ہے۔

دستخط کنندگان
تنظیمیں

1۔ اے جی ایچ ایس
2۔ بولو بھی
3۔ میڈیا معاملات برائے جمہوریت (ایم ایم ایف ڈی)
4۔ ڈیجیٹل رائٹس فاؤنڈیشن (ڈی آر ایف)
5۔ انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ، ایڈوکیسی اینڈ ڈیولپمنٹ آئی آر اے ڈی اے)
6۔ ہیومن رائٹس واچ (ایچ آر ڈبلیو)
7۔ فریڈم نیٹ ورک (ایف این)
8۔ پاکستان پریس فاؤنڈیشن (پی ایف ایف)
9۔ بائٹس فار آل
10۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی)
11۔ ویمن ڈیموکریٹک فرنٹ
12۔ ایکسس ناؤ
13۔ عوامی ورکرز پارٹی اسلام آباد/ راولپنڈی
14۔ عورت مارچ لاہور
15۔ ڈیجیٹل میڈیا الائنس آف پاکستان (ڈیجی میپ)
16۔ پاکستان میں میڈیا میں تنوع اور تکثیریت کے لیے اتحاد
17۔ . پاکستان ڈیجیٹل ایڈیٹرز الائنس (پی ڈی ای اے)
18۔ پاکستان ڈیجیٹل میڈیا ایسوسی ایشن
19۔ پروگریسو سٹوڈنٹس فیڈریشن
20۔ عورت مارچ اسلام آباد
21۔ جوائنٹ ایکشن کمیٹی برائے مہاجرین (جیک-آر)
22۔ پاکستان فشر فوک فورم
23۔ عورت مارچ کراچی
24۔ رپورٹرز ود آؤٹ بارڈرز (آر ایس ایف)
25۔ زوکا بکس
26۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل
27۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس
28۔ . پاکستان بار کونسل

خواتین کا عالمی دن

شہید بے نظیر آباد 8 مارچ کو خواتین کے عالمی دن کے موقع پر سندھ کی دیہی مزدور خواتین کو درپیش سماجی و معاشی مسائل کے موضوع پر ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کے تحت ایک روزہ سیمینار منعقد ہوا جس میں دیہاتوں میں کام کرنے والی مزدور کسان خواتین اور گھریلو دستکاری سے وابستہ خواتین، طالبات اور مختلف شعبوں سے وابستہ خواتین نے شرکت کی۔ ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ شہید بینظیر آباد کی ڈپٹی ڈائریکٹر زیب النساء خان، سوشل ویلفیئر کے ایڈیشنل ڈائریکٹر صابر قریشی، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے آصف البشر اور ہاری ویلفیئر یرایسوسی ایشن کے صدر اکرم خاصخیلی نے خطاب کیا۔ زیب النساء خان کا کہنا تھا کہ سندھ کی دیہی خواتین ہر شعبے میں محنتی اور ہنرمند ہونے کے باوجود بہتر معاشی مستقبل کے مواقع سے محروم ہیں۔ ایسی خواتین کی اجرت مردوں کی نسبت انتہائی کم ہوتی ہے جس سے انہیں شدید معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زرعی مشقت ہو یا دستکاری کسی بھی طور انہیں ان کی محنت کے مطابق اجرت نہیں دی جاتی۔ انہیں ڈیجیٹل کاروبار کے ساتھ منسلک ہونے کا موقع بھی ملنا چاہیے تاکہ ان کی معاشی حالت میں بہتری آئے۔ صابر قریشی نے کہا کہ عورتوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کیلیے ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی تخلیقی مہارت کو حوصلہ افزا ماحول فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس میں عورتوں کے کردار پر شک وشبہات سے ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیا جاتا ہے جو معاشرتی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے سماجی رویوں کو تبدیل کر کے لڑکیوں کی صلاحیتوں کو حوصلہ افزا ماحول دینا چاہیے۔ آصف البشر خان کا کہنا تھا کہ سماجی و معاشی طور پر عورت کو مستحکم کرنے کیلیے خواتین کو برابری کی بنیاد ہر مواقع فراہم کرنے چاہییں۔ ہم صدیوں سے نام نہاد غیرت کی چادر اوڑھ کر ان کے حقوق تلف کرتے رہے ہیں۔ جن طبقات نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی انہوں نے ہی ترقی کی منازل طے کیں اور وہاں عورتیں بڑی شخصیات بن کر سامنے آئیں۔ اکرم خاصخیلی نے کہا کہ سندھ کی دیہی خواتین کے سماجی حقوق کی پامالیوں کے نتیجے میں معاشی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ زرعی مشقت سے وابستہ خواتین شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ سندھ حکومت نے خواتین کیلیے موثر قانون سازی کی ہے لیکن اس کے باوجود عورتیں گھریلو تشدد جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ سیمینار کے موقع پر طالبات نے عورتوں کے مساوی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے ٹیبلو پیش کیے۔

شہید بےنظیر آباد: خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے مقررین خطاب کرتے ہوئے

سانگھڑ: خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے مقررین خطاب کرتے ہوئے

سانگھڑ خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی سانگھڑ کیمپس میں ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن (آر ڈی ایف) کی جانب سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں خواتین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پروگرام کے منتظم آر ڈی ایف کے منیجر یعقوب بروہی نے کہا کہ خواتین کی ترقی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ مقررین نے کہا کہ پاکستان میں کئی عورتوں کو اپنے حقوق اور معاشرے میں اپنا مقام بنانے کے لیے مشکل اور طویل قانونی وسیاسی جنگ لڑنا پڑی ہے۔ حنا خان نے کہا کہ سندھ حکومت نے سانگھڑ میں خواتین کے تحفظ اور ترقی کے لیے ایک ادارہ بھی قائم کیا ہے جس سے گھریلو جھگڑوں اور گھریلو تشدد کے خاتمے میں مدد ملے گی۔ اس موقع پر سیاسی و سماجی تنظیموں اور دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والی سینکڑوں خواتین بھی موجود تھیں۔ مقررین میں محکمہ ترقی نسواں کی ڈپٹی ڈائریکٹر حنا خان، سماجی رہنما سلمیٰ قریشی، فرزانہ عابد، ایڈووکیٹ حنا بگٹی، سابق صدر بار کونسل سنیل کمار، عبدالمجید راہمون، ڈاکٹر ارم، آمنہ منظور اور سدرہ شامل تھیں۔ لیگل ایڈ سوسائٹی اور آشا ہینڈز کی جانب سے بھی خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے ایک پروگرام منعقد کیا گیا جس میں خواتین کی بڑی تعداد شامل تھی۔

(ابراہیم خلجی سانگھڑ)

ملتان ہم عورتیں **عورت مارچ ملتان 2024** کی آوازیں، جوش اور عزم کے ساتھ اٹھتی ہیں، ایک ایسے مستقبل کے لیے آواز بلند کرتی ہیں جہاں مساوات کی بالا دستی ہو اور انصاف کسی تعصب یا امتیاز کے بغیر پیش کیا جائے۔

مطالبات

☆ تعلیم سب کے لیے: 18 سال کی عمر تک کی لڑکیوں کے لیے تعلیم کی ضمانت علم اور مواقع تک مساوی رسائی کو یقینی بنانا۔

☆ شناخت کا حق: اس بات کو یقینی بنائیں کہ سرائیکی وسیب میں تمام مردہ خواتین اور خواجہ سراؤں کے پاس ریاست کی طرف سے کسی رکاوٹ کے بغیر شناختی کارڈ موجود ہوں۔

☆ ہراسانیکا مقابلہ: تعلیمی اداروں اور کام کی جگہوں پر جنسی ہراسانی کے خلاف فعال کمیٹیاں بنائیں، ہراسانی کے خلاف قوانین پر سختی سے عمل درآمد کریں۔

☆ طلبا کو بااختیار بنانا: پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں میں طلباء یونینوں پر پابندی ہٹائی جائے طلباء کو اپنے حقوق کا استعمال کرنے اور اپنی تعلیم میں رائے رکھنے کی اجازت دی جائے۔ نیز، سیکھنے اور ترقی کے ماحول کو فروغ دیتے ہوئے سب کے لیے مساوی رسائی کے ساتھ نئے کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں۔

☆ جامع انفراسٹرکچر: اسکولوں، سرکاری دفاتر اور عوامی مقامات پر قابل رسائی فن تعمیر متعارف کروائیں جو

معذوریوں سے متاثر افراد کی ضروریات کو پورا کرتا ہو۔

☆ منصفانہ اجرت: مہنگائی کے مطابق اور صنفی لحاظ سے کم از کم اجرت کی پالیسیاں نافذ کریں، سب کے لیے معاشی انصاف کو فروغ دیں۔

☆ گھریلو اور چھوٹی صنعت کے کارکنوں کی حفاظت کریں: گھریلو ملازمین کے حقوق کی حفاظت کریں، خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کو، استحصال اور بدسلوکی سے۔

☆ کم عمری کی شادی ختم کریں: کم عمری کی شادی اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے خلاف قوانین بنائیں، شادی کی قانونی عمر 18 سال مقرر کریں۔

☆ ٹرانس جینڈر رائٹس: ٹرانس جینڈر رائٹس ایکٹ 2018 نافذ کریں، ٹرانس جینڈر افراد کے لیے برابری اور تحفظ کو یقینی بنائیں۔

☆ سیاسی انتقام کا خاتمہ: سیاسی وجوہات کی بنا پر، خاص طور پر خواتین کو غیر منصفانہ نشانہ بنانے اور غیر قانونی حراست کا سلسلہ بند کریں۔

☆ خواتین کا تحفظ: ویمن پروٹیکشن بل پر مکمل عملدرآمد اور ملتان میں ویمن کرائسز سنٹرز کی تکمیل کا عمل تیز کریں۔

☆ جامع تعلیم: انسانی حقوق، موسمیاتی تبدیلی، اور صنفی تعلیم کو ہائی اسکول کے نصاب میں شامل کریں، بیداری اور سمجھ بوجھ کو فروغ دیں۔

☆ صحت کی دیکھ بھال تک رسائی: سرکاری اور غیر سرکاری دونوں شعبوں میں خواتین اور ان کے بچوں کو صحت کی سہولیات میسر کریں

☆ غیر ضروری ٹیکسوں کا خاتمہ: خواتین کی حفظان صحت سے متعلق مصنوعات اور ضروری اشیاء پر ٹیکسوں کو ختم کریں، خواتین پر مالی بوجھ کم کریں۔

سندھ کی دیہی خواتین ہر شعبے میں محنتی اور ہنرمند ہونے کے باوجود بہتر معاشی مستقبل کے مواقع سے محروم ہیں۔ایسی خواتین کی اجرت مردوں کی نسبت انتہائی کم ہوتی ہے جس سے انہیں شدید معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔زرعی مشقت ہو یا کہ دستکاری کی ہنرمندی کسی بھی طور انہیں ان کی محنت کے مطابق اجرت نہیں دی جاتی انہیں ڈیجیٹل کاروبار کے ساتھ منسلک ہونے کا موقع بھی ملنا چاہیے۔تاکہ ان معاشی مستقبل میں بہتری آئے۔صابر قریشی نے کہا کہ معیار زندگی کو بہتر بنانے کیلیے عورتوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی تخلیقی مہارت کو حوصلہ افزا ماحول فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس میں عورتوں کے کردار پر شک وشبہات سے ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیا جاتا ہے جو معاشرتی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

☆ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ: مختلف پسماندہ گروہوں بشمول اینٹوں کے بھٹہ مزدوروں، کسانوں، صحافیوں اور فیکٹری ورکرز کے استحصال کو ختم کریں۔

☆ دہشت گردی کا مقابلہ: قانون کی حکمرانی کو یقینی بناتے ہوئے خواتین کو دہشت زدہ کرنے والی سرگرمیوں کے خلاف قانونی کارروائی کریں۔

☆ عدالتی نمائندگی: خواتین ججوں کی تعداد میں اضافہ، خاص طور پر لاہور ہائی کورٹ، ملتان اور بہاولپور بینچوں میں، عدلیہ میں صنفی مساوات کو فروغ دیا جائے۔

☆ بدعنوانی کا خاتمہ: سماجی معاونت کے پروگراموں میں بدعنوانی اور خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ رپورٹ کا طریقہ کار: خواتین کی ہراسانی اور تشدد کے واقعات کی اطلاع دینے کے لیے موثر پورٹل قائم کیا جائے، فوری کارروائی اور انصاف کو یقینی بنایا جائے۔

☆ مذہبی آزادی: مذہبی مقامات اور اقلیتوں کی بے حرمتی کا خاتمہ اور انہیں دیگر مجرمانہ کاروائیوں سے تحفظ، سب کے لیے بنیادی آزادیوں کو برقرار رکھا جائے۔

☆ چائلڈ پروٹیکشن بیورو بچوں کے جنسی استحصال کو روکنے کے لیے سخت اقدامات نافذ کرے، ہمارے نوجوانوں کی معصومیت اور فلاح و بہبود کی حفاظت کرے۔

☆ محفوظ جگہیں: دارالامان اور ورکنگ ویمن ہاسٹلز میں خواتین کی بنیادی آزادیوں اور تحفظ کو یقینی بنائیں، ضرورت مندوں کو محفوظ پناہ گاہیں فراہم کریں۔

☆ ڈیجیٹل رسائی: انٹرنیٹ تک رسائی کو بنیادی حق قرار دیا جائے اور، تمام افراد کے لیے ٹیکنالوجی تک مساوی رسائی کو یقینی بنایا جائے۔

☆ صنف سے متعلق دقیانوسی تصورات: تعلیمی مواد، الیکٹرانک میڈیا، اور سماجی پلیٹ فارمز پر صنف سے متعلق دقیانوسی تصورات ختم کیے جائیں، مساوات اور تنوع کو فروغ دیا جائے۔

☆ انصاف سب کے لیے: راشد رحمان جیسے انسانی حقوق کے رہنماؤں کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ہم ان لوگوں کے لیے انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں جنہوں نے مساوات اور انصاف کے لیے قربانیاں دیں۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

☞ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں/کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☞ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔پتہ:

www.hrcp-web.org

غریب عوام کی مشکلات میں اضافہ

نوشکی رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی نوشکی میں مہنگائی نے غریب عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔ اشیائے خورد ونوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ وزیر اعظم پاکستان نے غریب عوام کے لیئے اربوں روپے کی لاگت سے رمضان پیکیج کا اعلان کیا لیکن نوشکی میں یوٹیلیٹی اسٹورز میں عوام کو ریلیف دینے کے بجائے وہاں اشیاء خورد ونوش کی قیمتیں عام مارکیٹ سے بھی مہنگے داموں فروخت کی جارہی ہیں۔ یوٹیلیٹی اسٹورز میں آٹا، چینی اور کھجوریں دستیاب نہیں۔ علاوہ ازیں، ضلع نوشکی کے تمام دیہی علاقوں میں سحری اور افطاری کے اوقات میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے روزہ داروں اور نمازیوں کو مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دیہی علاقوں میں 21 گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ سے نظام زندگی بری طرح متاثر ہے۔ دوسری جانب طویل لوڈ شیڈنگ سے زرعی شعبہ تباہی سے دوچار ہوگیا ہے۔ مطلوبہ مقدار میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھڑی فصلیں تباہ ہورہی ہیں جس سے زمین دار معاشی مشکلات سے دوچار ہیں۔

(محمد سعید)

طلبہ کے لیے مشکلات

چمن ضلع چمن میں طالب علموں کے لیے انتہائی کم مقدار میں کتابیں فراہم کی گئی ہیں۔ گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع چمن کے ڈپٹی جنرل سیکریٹری عبدالجبار مخلص نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ چمن کی آبادی کہیں زیادہ ہے اور سکولوں کی تعداد کے مطابق کتب فراہم نہیں کی گئیں۔ انگریزی کی کتب تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مناسب مقدار میں کتب فراہم کی جائیں تاکہ طلبہ کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔

(محمد صدیق)

خسرہ کی وباء پر قابو پایا جائے

واشک ضلع واشک کی تحصیل بسیمہ کے دورافتادہ گاؤں ساجد میں خسرہ کی بیماری بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ایک بچے کی موت واقع ہوئی ہے بہت سے افراد اس بیماری سے شدید متاثر ہوئے ہیں۔ اہلیان علاقہ نے محکمہ صحت سے اپیل کی ہے کہ وہ علاقے میں میڈیکل ٹیم بھیج کر متاثرہ مریضوں کو علاج ومعالجہ کی سہولت فراہم کرے کیونکہ علاقے میں کوئی بھی طبی مرکز نہیں ہے جس کی وجہ سے خدشہ ہے کہ کئی دیگر متاثرہ بچے بھی موت سے دوچار ہوسکتے ہیں۔

(فاروق کبدانی)

جبری مشقت سے سالانہ 236 ارب ڈالر کا منافع، آئی ایل او رپورٹ

اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) نے بتایا ہے کہ دنیا بھر میں لاکھوں لوگ جبری مشقت پر مجبور ہیں اور اس غیر قانونی عمل میں ملوث عناصر کو سالانہ 236 ارب ڈالر آمدنی ہوتی ہے جو ایک دہائی پہلے 64 ارب ڈالر تھی۔' آئی ایل او' کا کہنا ہے اگرچہ غیر قانونی طور پر کام کے لیے مجبور ہونے والے لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس آمدنی میں اضافے کا بڑا سبب ہے لیکن اس میں بھاری منافع کا بھی اہم کردار ہے۔ ادارے کے اعلیٰ سطحی تحقیقی عہدیدار فیڈریکو بلانکو نے جنیوا میں صحافیوں کو بتایا کہ انسانی سمگلر اور جرائم پیشہ عناصر جبری مشقت کے ہر متاثرہ سے تقریباً 10 ہزار ڈالر سالانہ کماتے ہیں۔ 2014 میں یہ رقم 8,300 ڈالر تھی۔

بے حساب انسانی نقصان

انہوں نے کہا کہ جبری مشقت میں ملوث عناصر مزدوروں کی اجرتوں، وسائل اور روزگار پر ڈاکہ ڈال کر منافع کماتے ہیں۔ اس کام سے ہونے والا انسانی نقصان بھی بے حساب ہے۔ اس سے نا صرف انمز دوروں کو نقصان ہوتا ہے بلکہ ان کے خاندان اور تارکین وطن کی جانب سے اپنے ملک میں بھیجی جانے والی ترسیلات زر پر بھی اثر پڑتا ہے اور یوں پورے کے پورے معاشرے متاثر ہوتے ہیں۔ یورپ اور وسطی ایشیا میں جبری مشقت سے 84 ارب ڈالر منافع ہوتا ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد ایشیا اور اکاہل خطے میں اس غیر قانونی طریقے سے 62 ارب ڈالر، براعظم ہائے امریکہ میں 52 ارب ڈالر، افریقہ میں 20 ارب ڈالر اور عرب ممالک میں 18 ارب ڈالر کمائے جاتے ہیں۔

جنسی استحصال

اس غیر قانونی منافع میں جبری جنسی سرگرمیوں کا حصہ دو تہائی سے زیادہ ہے حالانکہ جبری مشقت پر مجبور ہونے والے تمام لوگوں میں جنسی استحصال کا شکار افراد کی تعداد صرف ایک چوتھائی ہے۔ آئی ایل او نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ استحصالی عناصر ان سے فی کس سالانہ 27 ہزار ڈالر سے زیادہ کماتے ہیں اور یہ دیگر اقسام کی جبری مشقت سے حاصل ہونے والی فی کس آمدنی 3600 ڈالر سے کہیں زیادہ ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

مسافروں کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی سے کوئٹہ تک پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر واقع ایف سی کسٹم پولیس اور لیویز کی نصف درجن سے زائد چیک پوسٹوں کی وجہ سے مسافر خواتین، بچوں اور بالخصوص مریضوں کو انتہائی مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیکورٹی چیک پوسٹوں کی وجہ سے مسافروں کو دیگر مسائل کے علاوہ ذہنی کوفت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لکپاس ٹنل سے متصل ایف سی چیک پوسٹ تو شدید مشکلات کا باعث ہے۔ سڑک سنگل ہونے کی وجہ سے چیک پوسٹ پر گاڑیوں کی چیکنگ کی وجہ سے روزانہ گھنٹوں ٹریفک جام ہونا روز کا معمول بن چکا ہے۔ نوشکی، چاغی، دالبندین، نوکنڈی تفتان، ریکوڈک سینڈک، ماشکیل، خاران، واشک، مستونگ، قلات، سوراب، خضدار، وڈھ، اوتھل، لسبیلہ، حب چوکی، کراچی، تربت، پنجگور، گوادر، جیوانی اور ماڑہ پسنی اور دیگر کئی شہروں کے مسافروں کو اس چیک پوسٹ سے گزرنا پڑتا ہے۔ بلوچستان کے ان تمام علاقوں کے باشندے علاج معالجہ، خریداری اور دفتری امور کے سلسلے میں کوئٹہ آتے ہیں۔ بلوچستان کے عوام کی مشکلات، پریشانیوں اور وقت کے ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے لکپاس ٹنل سمیت تمام غیر ضروری چیک پوسٹوں کو ہٹانے کے لیے احکامات جاری کیے جائیں۔

(محمد سعید بلوچ)

عورتیں

لڑکی سے زیادتی کی کوشش

اوکاڑہ تفصیلات کے مطابق نواحی قصبہ بٹک بصیر پور کے رہائشی امتیاز کی 12 سالہ بیٹی گھر اکیلی تھی کہ اسے 25 سالہ رحمت علی ولد ریاض احمد ورغلا پھسلا کر کھیتوں میں لے گیا اور اس کے ساتھ اسلحے کے زور پر زیادتی کرنے کی کوشش کی۔ لڑکی کی چیخ و پکار پر مقامی لوگ اکٹھے ہوگئے جس پر ملزم اسلحہ لہراتا ہوا بھاگ گیا۔ بصیر پور پولیس نے مقدمہ درج کر کے ملزم کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ (اصغر حسین حماد)

بیوی کو قتل کر دیا

میانوالی میانوالی سٹی محلّہ جہان آباد میں گھریلو جھگڑے پر شوہر نے بیوی کو قتل کر دیا اور فرار ہوگیا۔ پولیس نے مواقع بر شواہد اکٹھے کیے ہیں اور لاش اپنے قبضہ میں لے کر پوسٹ مارٹم کے کیلئے ڈی ایچ کیو ہسپتال بھجوا دی۔ ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ (محمد رفیق)

غیرت کے تصور نے دو اور جانیں لے لیں

نواب شاہ 60 میل تھانے کی حدود میں واقع گوٹھ امام بخش رند میں کلہاڑیوں کے وار کے پے در پے وار کر کے 17 سالہ ریشماں رند کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ ملزمان نے 40 سالہ غلام مصطفیٰ مری کو بھی کلہاڑیوں کے وار کر کے مارنے کی کوشش کی۔ حملے کے دوران وہ شدید زخمی ہو گیا جسے تشویشناک حالت میں پی ایم سی ہسپتال لایا گیا تھا جو اگلے روز زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا۔ پولیس نے ابتدائی معلومات میں اس واقعہ کو غیرت کے نام پر قتل بتایا ہے۔ 11 مارچ کو پیش آنے والے اس واقعہ کے متعلق مزید بتایا گیا ہے کہ مقتول غلام مصطفےٰ مری ملزمان برکت رند اور سائیں بخش رند کی 15 ایکڑ اراضی کا مقاطعے دار تھا تاہم ان کی مقاطع داری کا کوئی دستاویزی ثبوت سامنے نہیں آیا۔ بتایا گیا ہے کہ ملزمان نے گھر میں موجود ریشماں رند جس کی عمر 17 سال بتائی گئی ہے کو کلہاڑیوں کے وار کر کے قتل کیا۔ نعشوں کا پوسٹ مارٹم کر دیا گیا ہے۔ پولیس نے 2 ملزمان برکت رند اور سائیں بخش رند کو حراست میں لے کر تفتیش شروع کر دی ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے پر واقعہ کا مقدمہ درج کیا جائے گا۔ (آصف البشر خان)

روزگار کے مواقع اور اجرتوں میں صنفی تفاوت برقرار: عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او)

اقوام متحدہ میں امور محنت کے ماہرین نے کہا ہے کہ تقریباً دو دہائیوں میں روزگار تک خواتین کی رسائی، ان کے ملازمتی حالات اور اجرتوں میں صنفی بنیاد پر دائمی فرق سے متعلق دنیا بھر کی صورتحال میں بمشکل ہی کوئی بہتری آئی ہے۔ عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) نے اس صورتحال کو 21 ویں صدی میں کام کی جگہ پر صنفی مساوات کے لیے ایک نیا دھچکا قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ خواتین کے لیے ملازمت کے حالات میں فرق "محنت کی عالمی منڈی کی ایک قدیم اور نقصان دہ حقیقت" ہے لیکن ترقی پذیر ممالک میں یہ صورتحال خاص طور پر تشویشناک ہے جہاں ہر چار میں سے تقریباً ایک خاتون کو نوکری نہیں ملتی جبکہ مردوں میں یہ شرح 16.6 فیصد ہے۔

مایوس کن حالات

اس اندازے کی بنیاد بیروزگار کے طور پر رجسٹرڈ افراد کے بجائے کام ڈھونڈنے والے تمام لوگوں سے جمع کردہ نئی معلومات پر ہے۔ آئی ایل او نے کہا ہے کہ "یہ حالات کام کی دنیا میں خواتین کے مایوس کن حالات کی عکاسی کرتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین کو اب بھی نوکری ڈھونڈنے میں زیادہ مشکل پیش آتی ہے۔" اقوام متحدہ کے ادارے کے مطابق دنیا بھر میں کام کی عمر میں 15 فیصد خواتین کام کرنا چاہیں گی لیکن ان کے پاس نوکری نہیں ہوتی۔ ایسے مردوں کی تعداد 10.5 فیصد ہے جبکہ بیروزگاری کی سطح دونوں جنسوں کے لیے یکساں ہے" کیونکہ بے روزگاری کی وضاحت کے لیے استعمال ہونے والے معیار میں خواتین کو غیر متناسب طور پر خارج رکھنے کا رجحان ہے۔"

روزگار کے حصول میں رکاوٹیں

نجی اور خاندانی ذمہ داریاں بشمول بلا معاوضہ دیکھ بھال ایسی وجوہات میں شامل ہیں جن کی وجہ سے خواتین کام کی تلاش میں غیر متناسب طور سے متاثر ہوتی ہیں۔ آئی ایل او کے مطابق "یہ سرگرمیاں انہیں نا صرف نوکری کے حصول سے روک سکتی ہیں بلکہ متحرک طور سے نوکری کی تلاش یا مختصر وقت میں کام کے لیے ان کی دستیابی میں بھی رکاوٹیں ڈالتی ہیں۔" مزید برآں، یہ تقاضے بیروزگار کے طور پر رجسٹریشن کے لیے پیشگی شرط ہیں۔ 2005 اور 2022 کے درمیانی عرصہ میں نوکریوں کے حوالے سے فرق برقرار رہنے پر روشنی ڈالتے ہوئے آئی ایل او نے بتایا ہے کہ گھریلو امور کی انجام دہی یا اپنے بجائے رشتہ داروں کے لیے کام کرنے جیسے کئی کمزور شعبوں میں خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے کا کہنا ہے کہ ' 'اس کمزوری اور روزگار کی کم شرح سے خواتین کی آمدنی پر اثر پڑتا ہے۔ دنیا بھر میں ہر مرد کے کمائے گئے ایک ڈالر کے مقابلے میں خاتون صرف 51 سینٹ کماتی ہے۔

اجرتوں میں مردانہ تعصب

اس حوالے سے مختلف خطوں میں مختلف فرق پائے جاتے ہیں۔ نچلی اور نچلی متوسط آمدنی والے ممالک میں اجرتوں کے حوالے سے صنفی فرق بدترین ہے جہاں خواتین مردوں کے ایک ڈالر کے مقابلے میں 33 اور 29 سینٹ کماتی ہیں۔ اچھی آمدنی والے اور بالائی متوسط آمدنی والے ممالک میں خواتین کو مزدوری سے حاصل ہونے والی اجرت مرد کے ایک ڈالر کے مقابلے میں بالترتیب 58 اور 56 سینٹ ہے۔

آئی ایل او کا کہنا ہے کہ "روزگار تک رسائی میں صنفی عدم توازن اور حالات کا گزشتہ اندازے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں اور خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں اس حوالے سے پیش رفت کی رفتار مایوس کن طور سے سست ہے۔" اقوام متحدہ کے ادارہ برائے محنت کے مطابق 2022 میں عالمی سطح پر بیروزگاری کی شرح 5.8 فیصد پر رہی جو وبا سے پہلے دو دہائیوں کی اوسط شرح سے کم ہے۔ اندازہ ہے کہ 2023 میں بھی یہی شرح برقرار رہے گی۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

اقلیتیں

احمدی قبروں کے کتبوں کی بے حرمتی

کوٹلی جماعت احمدیہ کے خلاف مذہبی انتہا پسند اپنی مذموم اور نفرت انگیز سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، تازہ ترین اطلاعات کے مطابق مورخہ 21 مارچ کو پٹیاڑا، برموچ گوئی، ضلع کوٹلی آزاد جموں وکشمیر میں دو احمدی قبروں کے کتبوں کی بے حرمتی کرتے ہوئے مذہبی شدت پسندوں نے انہیں تباہ کردیا۔ یاد رہے کہ مذہبی دہشت گردوں نے کچھ دن پہلے مورخہ ۷ اور 8 مارچ کی درمیانی شب میں اسی احمدیہ قبرستان برموچ گوئی، ضلع کوٹلی، کی آٹھ قبروں کے کتبوں کو بے حرمتی کرکے توڑ دیا تھا۔ یہ رویّہ قابل افسوس ہے کہ پاکستان کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہید کے مزار سے بے حرمتی کا سلوک کیا جارہا ہے۔ کوٹلی آزاد جموں وکشمیر میں گذشتہ چند مہینوں میں احمدیہ مخالف سرگرمیوں نے زور پکڑا ہوا ہے جو اس حقیقت کی عکاس ہیں کہ یہ حملے ایک منظّم کوشش کے تحت کیے جارہے ہیں۔ عامر محمود ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان نے کہا ہے کہ ہم ملک کے حکام سے اس معاملے پر فوری غور کرنے اور ان نفرت انگیز سرگرمیوں کو وقوع پذیر ہونے سے روکنے کے لیے کوئی راستہ تلاش کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ (رپورٹ: نمائندہ الفضل انٹرنیشنل)

جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت انگیز بینرز

فیصل آباد مورخہ 14 مارچ کو پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن (پی ایم اے) کی جانب سے فیصل آباد کے الائیڈ ہسپتال کے سامنے جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت اور تشدد کو ہوا دینے والے متعدد بینرز آویزاں کیے گئے۔ پی ایم اے کی کارروائی کسی زیر سماعت عدالتی معاملے پر اثر انداز ہونے کی مذموم اور کھلی کوشش لگتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان کے خلاف تشدد پر اکسانا انتہائی قابل مذمت اور توہین عدالت ہے۔ اس قسم کا رویہ طب اور میڈیکل کے معزز پیشے کو زیب نہیں دیتا، یہ ضرور مذہبی تشدد پسند عناصر کے اکسانے کا نتیجہ ہے۔ ہم حکومتی انتظامیہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان نفرت آمیز بینرز کو اس جگہ اور سائٹ سے ہٹایا جائے اور مزید یہ کہ ہم امید کرتے ہیں کہ معاشرتی نفرت انگیزی کے ذمہ داران کا حکام احتساب کریں گے اور ان کے خلاف اپنے قوانین کے مطابق کارروائی کریں گے۔

(رپورٹ: نمائندہ الفضل انٹرنیشنل)

جماعتِ احمدیہ کے مقامی صدر کا قتل

بہاولپور پنجاب کے جنوبی ضلع بہاولپور میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے جماعت احمدیہ کے مقامی صدر کو قتل کردیا۔ پولیس نے واقعے کا مقدمہ درج کرکے تفتیش شروع کردی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کا کہنا ہے کہ انہیں مذہبی منافرت کی بنیاد پر قتل کیا گیا ہے۔ قتل کا واقعہ پیر کو ضلع بہاولپور کے علاقے حاصل پور کے گاؤں چک 84 ایف میں پیش آیا۔ تھانہ صدر حاصل پور میں درج واقعے کی ایف آئی آر کے مطابق مارے جانے والے شخص کا نام طاہر اقبال ہے۔ ایف آئی آر کے مطابق طاہر اقبال چار مارچ کو اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے اور کہیں جا رہے تھے کہ اچانک نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے ان پر فائرنگ کردی جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ وائس آف امریکہ نے طاہر اقبال کے اہلِ خانہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے بات کرنے سے انکار کردیا۔

جماعتِ احمدیہ پاکستان کے مرکزی رہنما عامر محمود کہتے ہیں کہ پاکستان میں بسنے والی احمدی برادری کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے جس میں حالیہ دنوں میں اضافہ ہوا ہے۔

احمدی کمیونٹی کے فرد کی ضمانت، پنجاب حکومت کی نظر ثانی درخواست پر فریقین کو نوٹس

وائس آف امریکہ سے گفتگو کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ طاہر اقبال کو مذہبی نفرت کے باعث قتل کیا گیا ہے اور اس کی جتنی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ انہوں نے کہا کہ جماعتِ احمدیہ پاکستان متعلقہ حکام سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ملک میں جماعتِ احمدیہ کے لوگوں کے خلاف نفرت کے خاتمے کے لیے مناسب کارروائی کرے اور اس کی روک تھام کا بندوبست کرے۔ عامر محمود کا کہنا تھا کہ جماعتِ احمدیہ پاکستان طاہر اقبال کے قتل پر حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس قتل میں ملوث افراد کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے اور ملزمان کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔ ترجمان بہاولپور پولیس سب انسپکٹر محمد عمر کے مطابق سرِ عام قتل کی تحقیقات کا باقاعدہ آغاز کردیا ہے۔ وائس آف امریکہ سے گفتگو کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ طاہر اقبال کا قتل مذہب کی بنیاد پر کیا گیا ہے کہ نہیں اِس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پولیس اِس بارے میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لے رہی ہے اور تفتیس مکمل ہونے پر ہی کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ ترجمان کا کہنا تھا کہ پولیس نے جائے وقوع پر موجود لوگوں، عینی شاہدین سے معلومات لے کر اور موقع پر دستیاب شواہد اکٹھے کرکے تفتیش کا دائرہ کار بڑھا دیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ کے مرکزی رہنما عامر محمود سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز مہم اِس وقت عروج پر ہے۔ مختلف انتہا پسندوں کی جانب سے احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا جارہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ گزشتہ ایک سال سے احمدیوں کی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

نہوں نے بتایا کہ چند دن قبل کراچی کے علاقے دستگیر سوسائٹی میں ایک احمدی عبادت گاہ کے میناروں کو مسمار اور وہاں موجود افراد کو ہراساں کیا گیا۔ اِسی طرح ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی ایک مقامی احمدی رہنما پر قاتلانہ حملہ کیا گیا جس سے وہ زخمی ہوگئے۔ واضح رہے کہ گزشتہ برسوں میں پاکستان کی اقلیتی احمدی کمیونٹی کی عبادت گاہوں کو انتہا پسند افراد کی جانب سے نقصان پہنچانے کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) بھی جماعتِ احمدیہ کے خلاف نفرت اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے کے واقعات میں اضافے پر اپنے تحفظات کا اظہار کرچکی ہے۔ ایچ آر سی پی کے مطابق حکومت کو احمدیوں کی عبادت گاہوں سمیت پاکستان میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو یقینی بنانا چاہیے۔ خیال رہے کہ پاکستان کا آئین احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے افراد کو غیر مسلم قرار دیتا ہے جب کہ احمدی خود کو احمدی مسلمان سمجھتے ہیں۔

(بشکریہ وائس آف امریکہ)

بچے

11 سالہ بچے کی نعش برآمد، قتل کا شبہ

عمرکوٹ 9 مارچ کو عمرکوٹ شہر کے قریب گوٹھ آہوری فارم میں پانی کی ایک ٹینکی سے 11 سالا بچے عبدالرحمان کی نعش ملی۔ اطلاع پر چھور پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں لیکر سول اسپتال عمرکوٹ سے پوسٹ مارٹم کروانے کے بعد ورثاء کے حوالے کی۔ بچے کے والد ذوالفقار مگنہار نے بتایا کہ اس کے بیٹے کو 'اس کی بیوی اور ساس نے نبو بجیر نامی شخص کی مدد سے پانی کی ٹینکی میں پھینک کر قتل کیا ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ میری بیوی کو دو برس قبل، میری ساس کریماں گوٹھ آہوری فارم لیکر گئی تھی۔ میرا ایک بیٹا اور دو بچیاں انہیں کے ساتھ رہتے تھے۔ میں کئی بار اپنے بچوں کو لینے کے لئے آہوری فارم گیا۔ بچے میرے پاس آئے بھی تھے اور خوشی سے رہ رہے تھے۔ لیکن میری ساس کریماں میرے بچوں کو زبردستی میرے گھر سے اٹھا کر آہوری فارم لے گئی۔ اب مجھے محلے میں سے اطلاع ملی کہ عبدالرحمان کی نعش پانی کی ٹنکی سے ملی ہے۔' جبکہ ذوالفقار مگنہار کی بیوی اور ساس نے کہا کہ بچہ کھیلتے ہوئے پانی کی ٹینکی میں ڈوب کر فوت ہوا ہے۔ "ہم نے بچے کو ٹینکی میں پھینک کر نہیں مارا۔ بچے کے والد کے الزامات جھوٹے ہیں۔"۔ پولیس کی تفتیش جاری تھی۔

(نامہ نگار)

جنسی زیادتی کا ملزم گرفتار، مقدمہ درج

نوشہروفیروز تفصیلات کے مطابق، نواحی علاقہ پڈعیدن ٹاؤن کے وارڈ نمبر 05 میں کمسن بچے فیضان سے مبینہ جنسی زیادتی کرنے والا ملزم پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔ گرفتار ملزم غلام محی الدین سولنگی کے خلاف متاثرہ بچے کے والد نجیب چانگ کی مدعیت میں پڈعیدن تھانہ پر مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ افسوسناک واقعہ پر ایس ایچ او پڈعیدن اقبال وسان نے میڈیا کو بتایا کہ پڈعیدن اسپتال سے بچے کا طبی معائنہ میں کرایا گیا ہے۔ ابتدائی رپورٹ میں جنسی زیادتی کی تصدیق کی گئی ہے۔ واقعہ کا مقدمہ درج کر کے ملزم سے تفتیش شروع کردی گئی ہے۔ دوسری جانب بچے کے والد نے احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے اور ملزم کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(الطاف حسین قاسمی)

فلک نور کا مبینہ اغوا اور کم عمری میں شادی

گلگت گلگت (تجزیاتی رپورٹ) فلک نور نامی 13 سالہ بچی کے مبینہ اغوا اور کم عمری میں والدین کی مرضی کے خلاف شادی کے واقعے پر ڈیڑھ ماہ کی خاموشی کے بعد گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ان کے والد سخی احمد جان کی کوششوں کے بعد آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ میڈیا پر شہ سرخیوں میں آنے کے بعد کچھ ارتعاش سیاسی حلقوں میں بھی محسوس کیا جا رہا ہے۔ تاہم گلگت بلتستان اسمبلی کی خواتین ممبران خاموش ہیں۔ سوشل ویلفیر کی وزیر دلشاد بانو چند ایک میڈیا بیانات دینے کے بعد خاموش ہوگئی ہے۔ ڈپٹی اسپیکر سعدیہ دانش نے اب تک اس معاملے پر میڈیا میں کوئی خاص آواز نہیں اُٹھائی ہے۔ ثریا زمان نے بھی اس معاملے پر کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا۔ کچھ ایسی ہی صورتحال دیگر وزیروں، مشیروں اور عہدیداروں کی بھی ہے۔ گلگت بلتستان اسمبلی کے اندر بھی اس معاملے پر کوئی خاص آواز نہیں اُٹھائی گئی جس کے باعث خواتین اور بچوں اور بچیوں کی حفاظت یقینی بنانے کے حوالے سے ایوان اور حکومت کی ترجیحات پر کئی سوالات اُٹھ رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر گلگت بلتستان حکومت گزشتہ کئی ہفتوں سے اس معاملے پر بے حسی اور روایتی سست روی کے باعث تنقید کی زد پر ہے۔ گلگت بلتستان پولیس کو بھی شدید تنقید کا ہدف بنایا جا رہا ہے۔ خواتین ممبران اسمبلی اور سیاسی جماعتوں میں دیگر عہدوں پر فائز خواتین پر خاص طور پر تنقید ہو رہی ہے کیونکہ اسمبلی میں جاتے وقت وہ خواتین اور بچیوں کے معاملات پر قانون سازی کرنے اور آواز اُٹھانے کی انتہائی اہم ذمہ داری اُٹھاتی ہیں۔ سوال اُٹھتا ہے کہ اگر ایسے حساس معاملات پر خاموش ہی رہنا ہے تو کیا اسمبلی تک محض مراعات اور پروٹوکول کے لئے ہی رسائی حاصل کی جاتی ہے؟ کم عمر لڑکی کو گھر سے اُٹھانا اور والدین کی مرضی کے خلاف اُس کی شادی کرنا دنیا کے ہر کونے، ہر معاشرے، اور ہر مذہب میں غیر قانونی، مجرمانہ اور غیر اخلاقی طرز عمل ہے۔ اس معاملے پر خاموش رہ کر تمام اراکین اسمبلی، بالخصوص خواتین اراکین اسمبلی، بظاہر یہ پیغام دے رہی ہیں کہ انہیں خواتین کی حفاظت سے کوئی غرض نہیں ہے، انہیں ایک غریب خاندان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے، اور وہ ایک واضح غیر قانونی اقدام کے خلاف آواز اُٹھانے کی ہمت نہیں رکھتیں! اس تاثر کو زائل کرنے کیلئے خواتین اور مرد اراکین اسمبلی اور مختلف عہدوں پر براجمان افراد کو نہ صرف آواز اُٹھانی ہوگی بلکہ عملی اقدامات بھی کرنے ہونگے۔ (بشکریہ پامیر ٹائمز)

بچے کو گرفتار کر کے تشدد کرنے کا الزام

سجاول جھوک شریف کے گاؤں چک حسن آباد کے رہائشی حاجن چانڈیو نے پریس کلب صوفی شاہ عنایت شہید میر پور بٹھورو میں بلڑی شاہ کریم پولیس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "میرے 14 سالا بچے گل زمان چانڈیو جو ھائی اسکول جھوک شریف میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہے کو بلڑی شاہ کریم پولیس نے مقامی وڈیروں کے حکم پر گھر سے گرفتار کیا اور تشدد کرتے ھوئے بلڑی شاہ کریم پولیس تھانہ کی حوالات میں بند کردیا۔ پولیس اہلکار اسے 24 گھنٹے تک ذہنی اور جسمانی اذیتیں دیتے رہے۔ والد سے ملاقات بھی کرنے نہیں دی گئی۔ بچے نے بتایا کہ پولیس اہلکار اس سے چوری کا اعتراف کرنے کے لیے دباؤ ڈالتے رہے۔ بچے کے ورثا کے مطابق، بعدازاں پولیس نے گل زمان کے والد سے پیسے طلب کیے، اپنے بچے کو رہا کروانے کے لیے حاجن چانڈیو نے گھر میں رکھا اناج بیچ کر پولیس کو رقم ادا کی جس کے بعد اس کے بیٹے کو رہا کیا گیا۔ حاجن چانڈیو نے حکام سے التجا کی اس معاملے میں اسے انصاف دلایا جائے اور ذمہ داران پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی کی جائے۔ (چیتن لعل)

چھ سالہ بچہ سے جنسی زیادتی

میانوالی محلّہ فاروق آباد، پکی شاہ مردان میں چھ سالہ کمسن بچہ سے دو ملزمان احسان ولد محمد اعظم اور محمد شہزاد ولد محمد نواز نے جنسی زیادتی کی۔ مزید برآں، ملزموں نے واقعے کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر شیئر کردی۔ ویڈیو وائرل ہونے پر پولیس کو اطلاع ملی۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے ملزمان گرفتار کر لیے ہیں۔ واقعے کی مزید تفتیش جاری ہے۔ وقوعہ 22 مارچ کو پیش آیا تھا۔ بچہ کے والد نے پولیس کو درخواست دی، مقدمہ درج ہوا اور اگلے روز ملزمان گرفتار کر لئے گئے۔

(محمد رفیق)

14 سالہ بچی کا مبینہ اغواء

ٹنڈو محمد خان ٹنڈو محمد خان کے ملا کا تیار پھاٹک کے قریب ہندو واگھری برادری کی 14 سالہ نشا کو عمران ملاح سمیت کچھ مسلح افراد نے اغواء کرلیا ہے۔ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے نوٹس لینے پر پولیس نے پانچ افراد پر مقدمہ درج کیا اور دو ملزمان کو گرفتار کرلیا ہے۔ تاہم، مرکزی ملزم ابھی تک فرار تھا۔ بچی کی والدہ کا کہنا تھا کہ اگر اس کی بیٹی کو بازیاب نہ کروایا گیا تو وہ خودکشی کرلے گی جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ پولیس اہلکاروں پر ہوگی۔

(محمد رمضان شورو)

توہین رسالت کا مقدمہ درج

شہید بے نظیر آباد شہید بےنظیر آباد میں شعائر اسلام کی توہین کے واقعہ کا مقدمہ درج کیا گیا ہے۔تحریک لبیک کے مقامی رہنماء علی اکبر چشتی نے اپنے حامی کارکنوں کے ساتھ تھانے پہنچ کر درخواست دائر کی کہ عمران ڈاہری ولد نور نبی ڈاہری نے ایک واٹس ایپ گروپ میں شعائر اسلام کی توہین پر مبنی مواد شیئر کیا ہے جس پر پولیس نے اس کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی اور انسداد دہشت گردی کی دفعہ 6/7 کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے۔ پولیس ابھی تک ملزم کو گرفتار نہیں کر سکی تھی۔

(آصف البشر)

بچی اپنے لاپتہ والد کی بازیابی کی منتظر

پشاور اس تصویر میں یہ معصوم بچی عروج گلالئی ہے جو اپنے والد ناصر خان کی گھر واپسی کی منتظر ہے۔ ناصر خان جو کہ ایک پولیس اہلکار تھا پچھلے ڈیڑھ برس سے لاپتہ ہے۔ ناصر خان پشاور میں ڈیوٹی کر رہے تھے۔ 6 ستمبر 2022 کو چھٹی پر اپنے گھر واقع محلّہ معروف خیل ضلع چارسدہ آئے تھے، رات کو گھر سے نکلے اور تب سے واپس نہیں آئے اور لاپتہ ہو گئے۔گھر والوں نے ایف آئی آر درج کروانی چاہی لیکن پولیس ایف آئی آر کرنے کو تیار نہ ہوئی۔ ناصر خان کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ ناصر خان کو ریاست کے کسی سیکیورٹی ادارے نے اٹھا کر لاپتہ کیا ہے۔ان کا مطالبہ ہے کہ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو اسے عدالت میں پیش کیا جائے۔

نوروز خان (لاپتہ ناصر خان کا بھائی)

لاپتہ افراد کی بازیابی کا مطالبہ

خیبر جمرود میں سی ٹی ڈی پشاور پولیس نے 5 اگست 2023 کی رات 2 بجے علاقہ غنڈی سکندر خیل میں ایک گھر پر چھاپہ مار کر ایک ہی خاندان کے پانچ افراد حسین شاہ ولد نیاز مین شاہ، مفتی سید شاہ ولد پیر محمد، مولانا عبدالعزیز ولد تاج محمد، مولانا یارولی ولد گل ولی، رئیس خان ولد لعل خان کو اٹھا لیا جبکہ رحیم اللہ ولد پیر محمد کو 9 برس قبل اٹھایا گیا تھا جو ابھی تک لاپتہ ہے۔ جمرود پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کوکی خیل سکندر خیل کے مشران حاجی نیاز مین شاہ، پیر محمد، لعل خان اور عارف شاہ نے کہا کہ 5 اگست کی رات تقریباً 2 بجے پشاور سی ٹی ڈی پولیس نے ان کے گھر پر چھاپہ مار کر ان کے پانچ افراد کو حراست میں لیا تھا جن کا ابھی تک کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ اگر وہ گناہ گار ہیں تو انہیں عدالت کے سامنے پیش کیا جائے اور قانون کے مطابق سزا دی جائے۔مزید براں، انہوں نے کہا کہ رحیم اللہ ولد پیر محمد گزشتہ 9 سال سے غائب ہے جسے ابھی کسی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔مشران نے تمام متعلقہ حکام سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

باڑہ میں ایک متاثرہ خاتون کی فریاد پر پشتون تحفظ موومنٹ کے رہنماؤں کا باڑہ خیبر چوک میں دھرنا۔احتجاجی مظاہرین کا کہنا ہے کہ جب تک "ماں جی" کو انصاف نہیں ملتا اُس وقت تک احتجاج جاری رہے گا۔تفصیلات کے مطابق، گزشتہ ماہ سپین قبر سپاہ کے رہائشی رحمت اللہ کو انسداد دہشت گردی کے اہلکاروں نے اٹھایا تھا جنہیں ابھی تک عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔حکومتی نمائندوں اور پولیس کے افسران نے لاپتہ شخص کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں بازیاب کروایا جائے گا مگر ابھی تک ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔مظاہرین نے رحمت اللہ کی جلد از جلد بازیابی اور 'ماں جی' کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

(مسعود شاہ، منظور آفریدی)

شہریوں کو ہراساں کرنے کا الزام

اوکاڑہ ایس ایچ او پولیس تھانہ بصیر پور مین بازار بصیر پور سے روزانہ گزرتا ہے۔یہ بازار سے گزرتے وقت وہاں پر موجود ریڑھیوں پر سبزی فروٹ بیچنے والے غریب افراد کو راستہ صاف کرنے کا کہہ کر غلیظ گالیاں دیتا ہے اور انہیں تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔یہ سلسلہ کافی عرصہ سے جاری ہے۔یہ پولیس افسر بازار میں موجود موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے ٹائروں کی ہوا نکلوا دیتا ہے اور تھانہ میں آنے والے شہریوں سے بدتمیزی سے پیش آتا ہے اور انہیں ہراساں کرتا ہے۔مذکورہ صورت حال کی وجہ سے مقامی شہری شدید تشویش میں مبتلا ہیں۔مذکورہ ایس ایچ او کا یہ اقدام قانون اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی اور اختیارات کا ناجائز استعمال ہے۔مقامی شہریوں نے ضلعی پولیس آفیسر (ڈی پی او) اوکاڑہ سے مذکورہ صورت حال کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

ہاری جبری مشقت سے ہاری آزاد

عمرکوٹ 13 مارچ کو سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر کنری پولیس نے زمیندار ہارون سموں کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار بھیل برادری کے 15 ہاری افراد بازیاب کیے۔بازیاب ہونے والوں میں پانچ مرد، تین عورتیں اور سات بچے شامل تھے۔عدالت نے بازیاب ہونے والے تمام ہاریوں کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔اسی طرح 14 مارچ کو عدالت کے حکم پر پولیس نے محمود آباد کے قریب زمیندار مقصود کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار بھیل برادری کے 10 ہاری افراد بازیاب کرائے تھے۔ (نامہ نگار)

سیکیورٹی اہلکاروں پر چادر وچاردیواری کا تقدس پامال کرنے کا الزام

خیبر جمرود کے علاقے علی مسجد میں گھر و چادر چاردیواری کی پامالی پر مقامی لوگوں کا پاک افغان شاہراہ پر احتجاجی مظاہرہ۔ پاک افغان شاہراہ کو ہر قسم کی ٹریفک کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔تفصیلات کے مطابق جمرود میں واقع علی مسجد میں سیکیورٹی اہلکاروں نے ایک شخص کو اٹھا لیا ہے۔ ویلج کونسل چیئرمین سیراج آفریدی کے مطابق واقعہ کے بعد سیکیورٹی اہلکاروں نے بغیر لیڈیز کانسٹیبلز کے حراست میں لیے گئے فرد کے گھر پر چھاپہ مار کر خواتین کی بے عزتی کی جس پر مقامی لوگوں نے طیش میں آ کر پاک افغان شاہراہ کو ہر قسم کی ٹریفک کے لئے بند کر دیا ہے۔ وی سی 16 کے چیئرمین سیراج آفریدی کے مطابق اگر سیکیورٹی اداروں کو اٹھایا گیا شخص مطلوب تھا تو اسے اٹھانے کے بعد اس کے گھر پر چھاپہ مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ سیکیورٹی ادارے اس طرح بغیر وارنٹ اور لیڈی کانسٹیبلز کے بغیر گھروں پر چھاپے مار کر خواتین کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

(منظور آفریدی)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار	
طریقہ کار	جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کرسکتے ہیں، واٹس ایپ کرسکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کرسکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
0321 341 4884 042 3584 5969,042 3586 4994 ایوان جمہور، 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور hrcp@hrcp-web.org complaints@hrcp-web.org	0315 111 6287, 0333 3046674 021 3563 7131, 021 3563 7132 یونٹ نمبر 08، فرسٹ فلور، اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)، عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی karachi@hrcp-web.org	0314 916 0661 - (091) 584 4253 مکان نمبر 43، گلشن اقبال ٹاؤن، نزد نائس ایجوکیشن سسٹم (کالج)، نزد اراباب روڈ سٹاپ مین یونیورسٹی روڈ، پشاور peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
0333 561 6190 051 835 1095 آفس نمبر 1-B، فلور 2، بلاک 12-D (نزد پی ایس او پمپ)، G-8 مرکز، اسلام آباد islamabad@hrcp-web.org	0346 839 4466 081 282 7869 فلیٹ نمبر C-6، کبیر بلڈنگ ایم اے جناح روڈ، کوئٹہ quetta@hrcp-web.org	022 278 3688 022 272 0770 0310 339 2222 آفس نمبر 306، فائزہ آرکیڈ، صدر، حیدر آباد hydrabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
0300 632 5401 061 451 7217 2511/5A ابدالی کالونی، نزد بریٹین سکول، ملتان multan@hrcp-web.org	0344 5475553, 0355 4541088 آفس نمبر 9-8، رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد، جتیال، گلگت gilgit@hrcp-web.org	0323 234 2406 0852 413365 پرواز ہاؤس، پسنی روڈ، تربت، کیچ ghaniparwaz@hotmail.com

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ